ARAMAIC APPROACH TO THE FOUR GOSPELS.

BY

ARCHDEACON BARAKAT ULLAH

اناجیل اربعہ کی زبان

اور

چند آیات کا نیا ترجمہ

مصنفہ

قسیس معظم آرچڈیکن برکت اللہ صاحب ایم۔ اے

فیلو آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی لنڈن

ملنے کا پتہ

آرچڈیکن برکت اللہ صاحب۔ کورٹ روڈ۔ امرتسر۔ پنجاب

بار اول

قیمت بارہ آنہ

دیباچہ

اس رسالہ کا بیشتر حصّہ اخبار نور افشاں میں بزیرِ عنوان "اناجیلِ اربعہ کی چند آیات کا نیا ترجمہ" چھپ چکا ہے۔

احباب تقاضا کر رہے ہیں کہ ان مضامین کو کتابی صورت میں شائع کیا جائے۔ پس ان کو مناسب ردّ و بدل اور ایزادیوں کے بعد شائع کیا جا رہا ہے۔ میری دعا ہے کہ اردو خوان مسیحی اس کے مطالعہ سے انجیلِ جلیل کی آیات اور خداوند یسوع مسیح کے کلماتِ طیبات کو کماحقہ سمجھ کر ابدی زندگی کے وارث ہو جائیں۔ آمین

کورٹ روڈ۔ امرتسر
پنجاب
یکم جون ۱۹۵۳ء

احقر العباد
برکت اللہ

فہرستِ مضامین

حصۂ اوّل - اناجیلِ اربعہ کی زبان صفحہ ۵

حصۂ دوم

انجیل متی			باب	آیت	صفحہ	باب	آیت	صفحہ	باب	آیت	صفحہ
			۹	۴۹	۵۰	۱۰	۴	۶۷	۳	۳۳	۸۲
باب	آیت	صفحہ	۹	۵۰	۵۰	۱۱	۴	۵۴	۳	۳۴	۸۴
۴	۲۳	۹۰	۱۰	۱۳	۶۰	۱۱	۳۱	۹۱	۵	۴۴	۸۴
۵	۴۸	۴۵	۱۰	۳۲	۸۷	۱۱	۴۸	۶۳	۶	۲۱	۶۶
۶	۱۳	۵۴	۱۲	۳۸	۵۴	۱۳	۳۱	۷۴	۶	۳۲	۳۷
۸	۹	۴۸	۱۴	۴۱	۳۶	۱۳	۳۲	۷۴	۷	۳	۹۳
۱۰	۲	۴۹	۱۵	۲۱	۷۲	۱۳	۳۳	۷۴	۷	۲۷	۳۹
۱۰	۳	۴۹	۱۶	۲	۵۲	۱۶	۸	۳۴	۷	۲۸	۳۹
۱۰	۱۰	۸۲	انجیل لوقا			۱۶	۹	۳۴	۷	۳۷	۹۵
۱۱	۱۲	۶۴				۱۶	۱۶	۶۴	۷	۳۸	۹۵
۱۳	۱۳	۴۱	۱	۳۹	۵۵	۲۱	۵	۷۸	۸	۵۶	۸۶
۲۶	۴۱	۵۴	۳	۱	۵۶	۲۳	۴۰	۵۴	۱۰	۷	۶۶
۲۶	۴۵	۳۶	۶	۱۶	۴۹	۲۳	۴۶	۵۴	۱۱	۴۹	۴۰
۲۷	۳۲	۷۲	۶	۴۰	۵۷	۲۳	۲۶	۷۲	۱۲	۷	۴۰
انجیل مرقس			۷	۸	۴۸	۲۴	۳۲	۶۵	۱۳	۳۱	۷۶
			۸	۱۰	۴۱	انجیل یوحنا			۱۳	۳۲	۷۷
۳	۱۹	۴۹	۸	۲۷	۵۸	۱	۱۳	۸۹	۱۴	۲	۶۸
[illegible]	۱۲	۴۱	۸	۳۹	۵۶	۱	۱۵	۷۳	۱۴	۳۱	۸۰
۴	۸	۸۲	۹	۳	۸۴	۱	۱۸	۶۹	۲۰	۲	۷۳
۶	۴۹	۷۱	۹	۱۰	۵۹	۳	۱۳	۷۰	۲۰	۱۷	۵۳

حصۂ اوّل

اناجیلِ اربعہ کی زبان

یونانی لفظ "انجیل" کے معنی بشارت یا خوشخبری کے ہیں۔ مسیحی اصطلاح میں یہ لفظ عموماً اُن ستائیس کتابوں کے مجموعہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو "عہدِ جدید" میں شامل ہیں۔ علاوہ ازیں لفظ "انجیل" کا اطلاق اس مجموعہ کی پہلی چار کتابوں پر بھی کیا جاتا ہے جن میں حضرت کلمتہ اللہ یسوع مسیح کی تعلیم اور سوانح حیات وغیرہ درج ہیں۔ مثلاً "متی کی انجیل" سے مراد وہ کتاب ہے جس میں مقدس متی نے آپ کی تعلیم اور سوانح زندگی وغیرہ جمع کئے تھے۔ علیٰ ہٰذا القیاس مرقس کی انجیل، لوقا کی انجیل اور یوحنا کی انجیل سے مراد وہ رسالے ہیں جو ان حضرات نے لکھے تھے جن میں انہوں نے اپنے اپنے نکتہ نگاہ کے مطابق کلمتہ اللہ کی تعلیم اور واقعاتِ زندگی وغیرہ جمع کئے تھے۔ یہ تعلیم آپ کی جانفزا "بشارت" تھی اور آپ کی زندگی کے واقعات اس بشارت کو واضح کرتے تھے اور آپکے پیغام کا عملی نمونہ تھے۔

حضرت کلمتہ اللہ نے خود نہ کوئی انجیل لکھی اور نہ لکھوائی۔ لیکن آپ اپنے پیغام کو "انجیل" یا خوشخبری کہتے تھے (مرقس ۱: ۱۴-۱۵) آپ کی مادری زبان ارامی تھی۔ لیکن اناجیل اربعہ جن میں آپ کی تعلیم۔ سوانح حیات۔ صلیبی موت اور صعودِ آسمانی کا ذکر ہے یونانی زبان میں ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ کیا یہ اناجیل پہلے پہل ارامی زبان میں لکھی گئی تھیں؟ اگر لکھی گئی تھیں تو وہ کب احاطۂ تحریر میں آئیں؟ موجودہ یونانی اناجیل کب اور کن حالات کے اندر معرضِ وجود میں آئیں اُنکے

یونانی متن کا ارامی اناجیل سے کیا تعلق ہے؟

اس حصہ میں ہم اختصار کے ساتھ ان اہم سوالوں پر غور کریں گے۔ اگرچہ اناجیل آسمانی کتابیں ہیں تاہم وہ دیگر دنیوی کتب کی طرح انسانوں کے ذریعہ تالیف کی گئیں۔ اُن کی زبان۔ اُن کے مولفین کی طرزِ تحریر۔ محاورات نکتۂ نگاہ وغیرہ میں فرق ہے۔ اگرچہ ان کا موضوع ایک ہی ہے۔ لیکن یہاں ہم اُن کے خاص موضوع پر بحث نہیں کریں گے بلکہ ان اناجیل کے ماخذ اور ان کے متن کی صحت پر بحث کریں گے۔ اور اُن کو اُنہی اصولِ تنقید کی محک پر پرکھیں گے جو ادبی دُنیا میں تسلیم کئے گئے ہیں اور جن کے مطابق فی زمانہ تمام مہذب اقوام کی لٹریچر کی کتابوں کی چھان بین کی جاتی ہے۔ ان تنقیدی اصولوں کے ماتحت ہم بیرونی شہادت یعنی تاریخی واقعات اور اندرونی شہادت یعنی بائیبل کی آیات سے ہی کام لیں گے اور کلیسیائی روایات وغیرہ سے کچھ سروکار نہیں رکھیں گے۔

فصلِ اوّل۔ پہلی صدی مسیحی میں ارضِ مقدس کی زبانیں

ارامی زبان کا عروج و زوال | پہلی صدی مسیحی میں ارضِ مقدس میں چار زبانیں بولی جاتی تھیں۔ اہلِ یہود ارامی بولتے اور عبرانی سمجھ سکتے تھے۔ غیر یہود کی زبانیں لاطینی اور یونانی تھیں۔ اہلِ یہود کی کتبِ مقدسہ عبرانی زبان میں تھیں۔ اور یہ کتابیں اصل زبان میں یروشلم کی ہیکل اور دیگر جگہوں کے یہودی عبادت خانوں میں پڑھی جاتی تھیں لیکن عبرانی زبان اہلِ یہود کے مدرسۂ دینیات اور علماء کے طبقہ تک ہی محدود تھی۔ عوام الناس ارامی زبان بولتے تھے۔ (اعمال ۱: ۱۹، ۲۱: ۴۰، ۲۲: ۲ وغیرہ)۔ حضرت کلمتہ اللہ کی پیدائش سے صدیوں پہلے ارامی نے عبرانی کی جگہ غصب کر لی تھی۔ دونوں زبانیں سامی

تھیں۔ اور ایک دوسرے سے متعلق تھیں۔ ارامی بھی ایک قدیم زبان تھی۔ عہدِ عتیق سے پتہ چلتا ہے۔ کہ خاص مسوپوٹامیہ میں ارامی آباد تھے۔ یہ وہ خطہ تھا جو دجلہ، فرات اور شمال کی جانب سلسلۂ کوہسار اور صحرا کے درمیان ہے۔ اور یہی وجہ تھی کہ یونانیوں نے اس خطہ کا نام مسوپوٹامیہ رکھا تھا۔ پیدائش کی کتاب سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ بی بی سارہ، حضرت یعقوب کی ازواج بی بی لیاہ اور بی بی راخل سرزمین حاران کے تھے۔ حضرت یعقوب کے خسر بیتوایل ارامی تھے (۲۵: ۲۰ - ۲۸: ۵) اور ارامی بولتے تھے۔ (۳۱: ۴۷)۔

اخیمی سلطنت کے مغربی نصف حصہ میں ارامی درباری زبان بھی اور مسیح سے آٹھ صدیاں قبل شام کے شمالی حصہ میں نوشت و خواند کا وسیلہ تھی اگرچہ اس حصہ کی آبادی خالص ارامی نہ تھی۔ ایرانی سلطنت کے زمانہ (از ۵۲۶ تا ۳۳۰ قبل مسیح) میں ارامی نے مغربی ایشیا میں اپنا تسلط قائم کر لیا تھا۔ اور فرات سے لیکر بحرِ متوسط تک بولی جاتی تھی اور فرات کے مغربی جانب کے صوبوں کی درباری زبان تھی۔ مصر میں بھی ایرانی زمانہ کے کتبے دستیاب ہوئے ہیں جن پر زرکسیس ([illegible]) کا چوتھا سال (۴۸۲ قبل مسیح) ثبت ہے۔ ان سے اور دیگر سرکاری کاغذات سے جو ملے ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایرانی شہنشاہ ارامی کو مصری زبان پر ترجیح دیکر مصریوں کے ساتھ اور مغرب کے دیگر ممالکِ محروسہ کے ساتھ ارامی میں خط و کتابت کیا کرتے تھے۔ اسوری سلطنت کے بادشاہوں کے وقت میں ارامی نہ صرف درباری زبان تھی بلکہ انہوں نے اس کو ہر زبان پر ترجیح دے رکھی تھی۔ کیونکہ اس سلطنت کی بیشتر آبادی ارامیوں پر مشتمل تھی۔ یہی وجہ تھی کہ شاہِ اسور کا ربہ ساقی ارامی میں کلام کرتا تھا اور شاہِ یہوداہ کے ارکینِ دربار بھی ارامی سے بخوبی آ

سلاطین ۲۶:۱۸۔ یسعیاہ ۳۶:۱۱)۔ فاضل تو تیدیکی ہم کو بتلاتا ہے کہ اسوریوں کے زمانہ سلطنت میں اُن کی رعایا کا بہت بڑا حصہ ارامی زبان بولتا تھا۔ کلدی سلطنت کے غلبہ نے بھی (گو وہ پائدار نہ تھا) ارامی زبان کو بڑی تقویت دی۔ مدینہ کے شمال سے جو کتبے دستیاب ہوئے ہیں، ان سے پتہ چلتا ہے کہ پانچ سو سال قبل مسیح عرب کے شمال مغرب میں ارامی آباد تھے اور یہ زبان عرب میں چوتھی صدی مسیحی تک نوشت و خواند کا ذریعہ تھی۔ اور مہذب زبان ہونے کی وجہ سے اس کو بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ اہل عرب اسی زبان میں لکھا پڑھا کرتے تھے کیونکہ اُن کی اپنی زبان ہنوز احاطۂ تحریر میں نہیں آئی تھی۔ پارتھیوں کی سلطنت میں بھی اس کو ممتاز جگہ حاصل تھی۔ کیونکہ یہ زبان تہذیب اور کلچر کی زبان تھی۔ گو اس سلطنت کی درباری زبان پہلوی تھی۔

پس اگرچہ ارامی زبان کی ابتدا مسوپوٹامیہ اور شام کے چند اضلاع سے ہوئی لیکن وہ آہستہ آہستہ دُور دُور کے مقامات اور مختلف ممالک میں پھیل گئی۔ پہلی صدی مسیحی کے قبل ارامی زبان کی مختلف شاخیں اُن تمام ممالک میں مروج تھیں جو بحر متوسط اور کوہسار آرمینیا اور کُردستان کے درمیان واقع تھے۔ رفتہ رفتہ یہ زبان ارضِ مقدس پر بھی چھا گئی۔ حضرت کلمتہ اللہ کی پیدائش سے بہت پہلے ارضِ مقدس میں عوام الناس عبرانی کی بجائے ارامی بولتے تھے اگرچہ اس زمانہ کا صحیح تعین نہیں ہو سکتا۔ اہل یہود کی اسیری (۵۸۶ قبل مسیح) سے پہلے کی یہودی کتابوں پر بھی اس زبان کا اثر نظر آتا ہے۔ اگرچہ عہدِ عتیق کی بعض کُتب مثلاً آستر کی کتاب۔ واعظ کی کتاب اور بعض مزامیر کی زبان عبرانی ہے۔ لیکن ان کی طرزِ تحریر سے ظاہر ہے کہ ان کے مصنّفین کی مادری زبان ارامی تھی کیونکہ ان کے الفاظ کے پیچھے جو رُوح ہے وہ ارامی ہے۔ عزرا کی کتاب (جو قریباً

تین سو سال قبل مسیح لکھی گئی) کے مصنّف نے ایک ارامی کتاب کا اقتباس کیا ہے (۴:۸ تا ۶:۱۸، ۷: ۱۲-۲۶) دانی ایل کی کتاب ایک سو چھیاسٹھ سال قبل مسیح لکھی گئی۔ اور اس کا نصف حصہ ارامی زبان میں ہے۔ (۲:۴ تا ۷:۲۸)

پہلی صدی مسیحی میں جس قسم کی ارامی زبان ارضِ مقدس میں بولی جاتی تھی۔ اس کا علم ہم کو یہودی کُتب "ترجم" (Targam) سے مل سکتا ہے۔ یہودی عبادت خانوں میں یہ دستور ہو گیا تھا کہ جب تورات کی کُتب پڑھی جاتیں تو ہر آیت کے پڑھنے کے بعد اس کا ارامی میں ترجمہ کیا جاتا اور جب صحائفِ انبیا اور کُتب تواریخ پڑھی جاتیں تو ہر تین آیات کے پڑھنے کے بعد ترجمہ کیا جاتا تاکہ عوام الناس صحفِ مقدسہ کو سمجھ سکیں۔ یہ ترجمہ مابعد کے زمانہ میں احاطۂ تحریر میں آ گیا، جس کو "ترجم" کہتے ہیں۔ ان کی زبان اُس ارامی سے مختلف نہیں ہے جو بائبل کی کتب عزرا اور دانی ایل میں ہے۔ حضرت کلمتہ اللہ اور آپکے حواری ارامی زبان میں کلام کرتے تھے اگرچہ ان کی زبان یروشلیم اور اسکے مضافات کی زبان کی طرح شُستہ نہ تھی۔ (مرقس ۱۴: ۷۰)۔ حضرت کلمتہ اللہ خود عبرانی کا علم رکھتے تھے۔ اور کتب مقدسہ کی تلاوت اصل زبان میں فرمایا کرتے تھے (مرقس ۱۲: ۲۴-۲۷، ۱۵: ۳۴، لوقا ۴: ۱۶-۲۱) لیکن آپ اپنے پیغام کو عوام الناس کی بولی ارامی میں سُنایا کرتے تھے۔ (اعمال ۲۶: ۱۴) لوگ جوق در جوق "خوشی" اور شوق سے آپ کے کلمات کو سُننے کی خاطر جمِ غفیر میں جمع ہو جاتے ایسا کہ کھوے سے کھوا چھلتا تھا (مرقس ۱: ۳۳، ۴۵، ۲:۴، ۴: ۱ و ۵، ۲۴ — لوقا ۱۹: ۴۸ وغیرہ) اس بات کا ثبوت کہ آپ ان سے ارامی میں کلام کیا کرتے تھے، اناجیلِ اربعہ کے یونانی متن سے بھی ملتا ہے جہاں چند مقامات میں آپ کے منہ کے ارامی الفاظ محفوظ ہیں۔ (مرقس

۵/۱۲ ، ۷/۳۳ ، متی ۲۷/۴۶ وغیرہ)

پہلی صدی مسیحی میں ارضِ مقدس پر قیاصرہ روم حکمران تھے۔ ان کی زبان لاطینی تھی۔ لیکن گو اس صدی کے اوائل میں ملکِ شام میں یونانی نے اپنے قدم جما لئے تھے تاہم ارامی زبان کے غلبہ کا یہ حال تھا کہ لاطینی زبان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات کبھی نہ آئی کہ ارامی کی جگہ غصب کرے لیکن مثل مشہور ہے۔ ہر کمالے را زوالے۔ یروشلم کی تباہی (۷۰ء) کے بعد حالات دگرگوں ہو گئے۔ قومِ یہود کی تباہی کے ساتھ یونانی نے اپنے پاؤں پھیلا لئے پھر بھی ساتویں صدی مسیحی تک اس زبان کی مختلف شاخیں (بالخصوص شامی زبان) یونانی زبان کے بعد اہم ترین زبان تصور کی جاتی تھیں لیکن اہلِ عرب کی اسلامی فتوحات نے ارامی زبان کا یک لخت خاتمہ کر دیا۔ اور یہ زبان جو بارہ سو سال سے زائد عرصہ تک ہر مہذب قوم کے استعمال میں آئی تھی، اسلامی غلبہ کے ہاتھوں ناگہانی موت مر گئی۔ اور عربی نے اس کی جگہ لے لی۔ موجودہ زمانہ میں یہ زبان صرف چند اضلاع میں ہی بولی جاتی ہے۔

یونانی زبان اور یونانی تہذیب یونانی زبان فلسفہ، ادب اور تہذیب کی زبان تھی۔ وہ افلاطون، ارسطو اور دیگر حکماء کی زبان تھی۔ جو کوئی پڑھا لکھا شخص مہذب ہونے کا دعوےٰ کرتا تھا اس کے لئے یونانی کا علم حاصل کرنا لابدی امر تھا۔ سکندر اعظم کی فتوحات (۳۲۳ قبل مسیح) نے اس زبان اور تہذیب کی رونق کو دوبالا کر دیا تھا۔ اس فاتح کے زمانہ میں ارامی زبان فرات سے لیکر بحر متوسط تک کے تمام ممالک پر چھا گئی تھی۔ لیکن اس کی فتوحات کے ساتھ زمانہ نے پلٹا کھایا۔ اور یونانی ارامی کی حریف ہو گئی جب سکندر نے ارضِ مقدس کو (۳۳۲ قبل مسیح) حاصل کر لیا تو اس نے اہلِ یہود کو

اپنی شریعت اور دستورات پر عمل کرنے کی رعایت عطا کی۔ جو یہودی اس کے شہر سکندریہ میں بستے تھے ان کو پورے شہری حقوق عطا کر دیئے۔ اس کے جانشینوں یعنی ٹولومیوں کے ماتحت (۳۲۰ قبل مسیح تا ۱۹۸ قبل مسیح) اور سلوکیوں کے ماتحت شام اور مصر کے ممالک نے یونانی زبان اور کلچر کو قبول کر لیا۔ رفتہ رفتہ اہلِ یہود میں بھی یونانیت اپنا اثر دکھلانے لگی۔ کیونکہ یہودی ان دنوں تمام دنیا میں پھیلے ہوئے تھے۔ ٹولومیوں کے ماتحت سکندریہ کے یہودی بہت حد تک یونانی فلسفہ اور تہذیب سے متاثر ہو چکے تھے حتےٰ کہ ان کی خاطر اہلِ یہود کی کتبِ مقدسہ کا عبرانی سے یونانی میں ترجمہ کرنا پڑا۔ یہ یونانی ترجمہ سپٹواجنٹ تیسری صدی قبل مسیح کے درمیان سکندریہ میں شروع ہوا اور دوسری صدی قبل مسیح میں ختم ہوا۔ یہ ترجمہ مشہور ترین ترجمہ ہے جو نہایت مستند ہے۔

ارضِ مقدس کے یہودی بھی یونانیت کی بے پناہ موجوں سے نہ بچ سکے۔ چنانچہ مسیح سے دو صدیاں قبل ان میں ایک ترقی پسند پارٹی قائم ہو گئی جس کا مقصد یہ تھا کہ یہودی شریعت اور دستورات کی بجائے یونانی فلسفہ تہذیب اور کلچر ملکِ کنعان میں رواج پا جائیں۔ اینٹی اوکس چہارم (Antiochus Epiphanes) نے ہر ممکن طور پر از حد کوشش کی کہ ارضِ مقدس میں یونانیت کا بول بالا ہو جائے۔ لیکن اہلِ یہود نے منظم طور پر اس کا مقابلہ کیا۔ اس نے حکم دیا کہ اس کی تمام رعایا (یہودیوں سمیت) یونانی مذہب اور یونانی رسوم و رواج کو اختیار کر لیں۔ اور اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والے کو جان سے مارا جائے۔ اس نے ۱۶۷ قبل مسیح سامریہ اور یروشلم کی ہیکل کی قربانگاہ پر جوپیٹر کی قربانگاہ بنائی۔ اور خنازیر اور دیگر حرام جانوروں کی قربانیاں کیں۔ اس نے

یہود کو بتوں کی قربانیوں کا گوشت جبریہ کھلایا اور ان کو مجبور کیا کہ وہ بکیس (شراب کا دیوتا) کا تہوار منائیں۔ سبت اور ختنہ کے شرعی احکام کو نہ مانیں۔ نماز نہ پڑھیں۔ اپنے معبود یہوواہ کی عبادت نہ کریں۔ اور ان تمام امور سے پرہیز کریں جن سے یہ تمیز ہو سکے کہ وہ یہودی ہیں۔ اُس نے تورات کی کاپیوں کو نذرِ آتش کر دیا اور ہزاروں یہودیوں کو تہِ تیغ کر دیا۔ لیکن اہلِ یہود نے ۱۶۷ قبل مسیح مکابیوں کے ماتحت اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور بالآخر ان مجاہدین کی کوششوں سے یونانیت کو شکست فاش نصیب ہوئی۔ لیکن اس کے سالہا سال بعد فریسیوں اور صدوقیوں کے دھڑے بازی اور اہلِ یہود کی باہمی رقابت در پرخاش کی بدولت یونانیت کے قدم دوبارہ جم گئے۔ ۶۳ قبل مسیح یہودیہ رومی سلطنت کا ایک صُوبہ بن گیا۔ قیاصرۂ روم نے ادومی نسل کے ہیرودیس کو ۳۷ قبل مسیح یہودیوں کا بادشاہ بنا دیا۔ اس شاہی خاندان کی طفیل یونانیت ارضِ مقدس میں مضبوط جڑ پکڑ گئی۔ فریسی ربی اس بادشاہ کے جانی دشمن تھے۔ لیکن ان کی مخالفت کو دبانے کی خاطر اُس نے یونانیت کے شیدائی یہودیوں کو منظورِ نظر بنا لیا اور یونانی اور رومی خیالات، رسوم و رواج اور طرزِ رہائش وغیرہ کو ترقی دی۔ اُس نے خاص یروشلم میں تھیٹر اور تماشہ گاہیں (Amphi theatre) بنائیں۔ قیصریہ کے شہر کو یونانی رومی آرٹ کا بہترین نمونہ بنا کر قیصر کے نام پر اس شہر کا نام قیصریہ رکھا۔ اس نے جگہ جگہ رومی اور یونانی دیوتاؤں کے مندر بنوائے اور یہود کو خوش کرنے کے لئے اور اپنی عظمت بڑھانے کے لئے اس نے سن ۲۰ قبل مسیح یروشلم کی ہیکل کو نہایت عالیشان پیمانہ پر تعمیر کرنا شروع کیا (مرقس ۱۳: ۱۔ متی ۲۴: ۱۔ یوحنا ۲: ۲۰ وغیرہ) جس کو اس کے پڑپوتے ہیرودیس اگرپہ دوم نے ۶۵ء میں ختم کیا۔ لیکن ہیرودیس

نے اس ہیکل کے بڑے پھاٹک پر ایک طلائی عقاب نصب کر دیا جو قیاصرۂ روم کا نشان تھا۔ جس سال خداوند مسیح پیدا ہوئے افواہ اُڑ گئی کہ ہیرودیس مر گیا ہے۔ اس پر فریسیوں نے اس طلائی عقاب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ جب ہیرودیس کو خبر ہوئی اُس نے سردار کاہن متھیاس کو اس کے عہدے سے معطل کر دیا۔ اور فریسیوں کو زندہ آگ میں جلا دیا۔

پس آنخداوند کے زمانہ میں سیاسی اور سماجی حالات کی وجہ سے یونانیت کی لہر بڑی تیز رَوی سے ارضِ مقدس میں ہر چہار سُو پھیل گئی۔ خاص یہودیہ کے صُوبہ میں اہلِ یہود کے علاوہ اطالوی۔ ادومی اور مختلف دیگر نسلوں اور قوموں کے لوگ بُود و باش رکھتے تھے۔ گلیل کا صُوبہ "غیر قوموں کی گلیل" کہلاتا تھا۔ جس میں یونانی فینیکی شامی وغیرہ اقوام آباد تھیں۔ ان تمام باتوں کی وجہ سے یونانی زبان اور یونانیت روز بروز ترقی حاصل کرتی جاتی تھی۔ علاوہ ازیں اقتصادی حالات بھی سازگار تھے اور یونانیت کے پھیلنے میں معاون تھے۔ کیونکہ یونانی زبان تجارتی اغراض کے لئے استعمال ہوتی تھی۔ بالخصوص وہ بندرگاہوں اور ان شاہراہوں کے اردگرد کے قصبات اور دیہات میں بولی جاتی تھی جو ملک کنعان کو ایشیائے کوچک، مسوپوتامیہ اور مصر کے ممالک کے ساتھ ملاتے تھے۔ ان سیاسی سماجی اور اقتصادی اسباب کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ یونانی زبان روز افزوں ترقی پر تھی۔ عوام الناس ارامی بولتے تھے پر یونانی سمجھ سکتے تھے اور ضرورت کے وقت بات چیت بھی کر لیتے تھے۔ خود خداوند مسیح کا عالیشان شہر (متی ۹: ۱؛ ۱۱: ۲۳) کفرنحوم ایک ایسی ہی شاہراہ پر تھا۔ ماہی گیری کی بڑی بندرگاہ ہونے کے علاوہ یہ شہر تین اطراف سے گنیسرت کے زرخیز میدان سے گھرا ہوا تھا اور تجارت کا بڑا مرکز تھا۔ علاوہ ازیں وہ اُس شاہراہ پر واقع تھا جو دمشق سے

نیو ٹیسٹ کو جاتی تھی۔ لہذا اغلب ہے کہ حضرت کلمتہ اللہ یونانی زبان سے بھی واقف تھے۔

فصلِ دوم۔ زمانۂ تصنیفِ اناجیلِ اربعہ

جب حضرت کلمتہ اللہ قریباً "تیس برس" کے ہوئے۔ (لوقا ۳: ۲۳) آپ نے ۲۶ء میں "رُوح کی قوت سے معمور ہو کر" (لوقا ۴: ۱۴) "خدا کی خوشخبری کی منادی کی اور کہا کہ "وقت پورا ہو گیا ہے اور خدا کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے توبہ کرو اور خوشخبری پر ایمان لاؤ" (مرقس ۱: ۱۴) عوام الناس کی بھیڑوں کی بھیڑیں آپ کی خوشخبری کا پیغام سُننے کے لئے ہر جگہ جمع ہو جاتیں (متی ۴: ۲۳-۲۵ و مرقس ۱: ۳۲۔ یوحنا ۶: ۱۰، ۲۴، مرقس ۴: ۱ وغیرہ) آپ نے اپنے مقلدین میں سے "بارہ کو مقرر کیا تاکہ وُہ آپ کے ساتھ رہیں" (مرقس ۳: ۱۴) یہ بارہ حواری بالعموم مزدور طبقہ کے لوگ اور اہلِ یہود کے مختلف فرقوں اور گروہوں میں سے تھے۔ لیکن سب کے سب لکھے پڑھے تھے۔ کیونکہ اہل یہود کے ہر بچہ کے لئے لکھنا پڑھنا لازمی تھا۔ حضرت کلمتہ اللہ کی تعلیم کو سُن کر سب لوگ حیران رہ جاتے اور آپس میں یہ کہکر بحث کرتے کہ "یہ کیا ہے۔ یہ تو نئی تعلیم ہے۔" کیونکہ آپ اُن کو "فقیہوں کی طرح نہیں بلکہ صاحبِ اختیار کی طرح "تعلیم دیتے تھے۔ (مرقس ۱: ۲۷، متی ۷: ۲۹ وغیرہ) نہ صرف صوبہ گلیل کے بیس ماندہ لوگ آپکی تعلیم کو سُن کر حیران رہ جاتے تھے۔ بلکہ یہودی علماء اور فضلاء کے خاص گروہ یروشلم کے رہنے والے بھی دنگ رہ جاتے اور بے ساختہ پکار اُٹھتے کہ "انسان نے کبھی ایسا کلام نہیں کیا"۔ (یوحنا ۷: ۴۶) دریں حالات آپ کے بعض شیدائیوں اور حواریوں نے جو آپکے ساتھ شب و روز رہے (متی ۱۷: ۱، یوحنا ۱۵: ۱۵، لوقا ۲۲: ۱۴ وغیرہ) آپ کے کلمات کو قلمبند کرنا شروع کیا جس طرح رسولِ عربی کے بعض معتقدین نے آپ سے سُن کر قرآن لکھنا شروع کیا۔ ان حواریوں میں سے بالخصوص حضرت متی آپ کے نادر اور چیدہ برگزیدہ کلمات کو ارامی میں جمع کیا کرتے تھے۔ چنانچہ فرگیہ کے شہر ہیراپلس کا بشپ پے پئیس (Papias Bishop of Hierapolis) دوسری صدی کے اوائل (۱۳۰ء) میں ہم کو بتلاتا ہے "متی نے خداوند کے کلمات کو ارامی زبان میں جمع کیا اور لوگ اپنی لیاقت کے مطابق اُن کو سمجھتے تھے"۔ پے پئیس کی شہادت قابلِ قدر ہے۔ کیونکہ اُس نے یہ بات اُن لوگوں سے معلوم کی تھی جو حضرت متی کے ساتھی رہ چکے تھے۔ پس کلمتہ اللہ کی حینِ حیات میں لوگوں نے اور بالخصوص حضرت متی رسول نے آپ کے چند کلمات کو ارامی زبان میں جمع کیا۔

(۲)

جب حضرت کلمتہ اللہ کو مصلوب کیا گیا تو واقعہ صلیب کے پچاس دن بعد (اعمال ۲: ۱) یعنی دو ماہ کے اندر اندر آپ کے حواریوں کی تبلیغی مساعی کی وجہ سے تین ہزار کے قریب لوگ آپ پر ایمان لے آئے (اعمال ۲: ۴۱) یہ یہود مختلف ممالک سے عید کے روز یروشلیم میں جمع ہوئے تھے۔ جو پارتھی مادی عیلامی۔ مسوپوٹامیہ۔ یہودیہ۔ کپدکیہ۔ پنطس۔ آسیہ۔ فروگیہ۔ پمفولیہ۔ مصر۔ کرینے۔ کریتی اور عرب کے رہنے والوں میں سے تھے۔ (اعمال ۲: ۹) اس کے چند روز بعد "ایمانداروں کی تعداد پانچ ہزار کے قریب ہو گئی"۔ (اعمال ۴: ۴)۔ اس کے چند ماہ بعد یہودی نو مریدوں کی کلیسیائیں اور دیگر غیر یہود کلیسیائیں ارضِ مقدس کے مختلف صوبوں کے شہروں، قصبوں اور گاؤں میں بڑی تیز رفتاری سے قائم ہو گئیں (اعمال ۵: ۲۸، ۸: ۴، ۱۴، ۳۸-۴۰،

۹ : ۲۰ ، ۳۱-۳۲ ، ۱۰ : ۲۴ ، ۴۴-۴۸ ، ۱۱ : ۱۹ وغیرہ) جب وہ واقعۂ صلیب کے قریباً چھ سال بعد حضرت پولوس مسیحی کلیسیا کے زمرہ میں داخل ہو گئے (اعمال ۹ باب) تو آپ نے ارضِ مقدس کے اندر اور باہر رومی سلطنت کے مختلف مقامات میں یہود اور غیر یہود دونوں کو انجیل کا پیغام سنایا اور اپنی شہادت کے وقت تک بتیس ۳۲ سال محنتِ شاقہ کرکے جابجا کلیسیائیں قائم کردیں۔ جن کو آپ نے وقتاً فوقتاً یونانی زبان میں خطوط بھی لکھے جو انجیل کے مجموعہ میں اب تک محفوظ ہیں۔ دوازدہ رسولوں اور سینکڑوں مسیحی مبلغوں کی تبلیغی مساعی کا یہ نتیجہ ہوا کہ خداوند مسیح کی وفات کے پینتیس ۳۵ سال بعد جب رومی قیصر نیرو نے ۶۴ء میں مسیحیوں کو ایذائیں پہنچائیں تو اُس وقت تک لوگ لاکھوں کی تعداد میں مسیحی ہو گئے تھے اور رومی سلطنت کے کونہ کونہ میں پائے جاتے تھے۔

(۳)

ان مسیحی کلیسیاؤں کو اس بات کی ازحد ضرورت تھی کہ وہ اپنے خداوند کی تعلیم اور واقعاتِ زندگی سے واقف ہوں۔ چنانچہ بہت لوگوں نے آنخداوند کے واقعاتِ زندگی اور پیغامات کو جمع کیا تاکہ ان کلیسیاؤں کی روحانی ضروریات کو پورا کریں۔ چنانچہ مقدس لوقا ہم کو بتلاتا ہے کہ "بہتوں نے اس پر کمر باندھی ہے کہ جو باتیں ہمارے درمیان واقع ہوئیں اُن کو ترتیب وار بیان کریں جیسا کہ انہوں نے جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کے خادم تھے ہم تک پہنچایا" (لوقا ۱: ۱، ۲)۔ ابتدا میں زیادہ تر وہ لوگ مسیحی کلیسیا میں داخل ہوتے تھے جو اہلِ یہود میں سے تھے۔ کیونکہ اولین مبلغین خود یہودی تھے۔ اور یہ ایک فطری بات تھی کہ وہ اپنے خداوند کے فرمان کے بموجب پہلے

اپنے لوگوں کو یہودی کتبِ مقدسہ کی مسیح کی آمد۔ تعلیم۔ صلیبی موت کی ضرورت اور مسیح کی معنی خیز قیامت کی بشارت دیتے (لوقا ۲۴: ۴۴-۴۸ و اعمال ۲: ۲۲-۳۶ و ۲۶: ۲۲-۲۳ وغیرہ)۔ ان ایمانداروں کی زبان ارامی تھی جس میں حضرت کلمۃ اللہ نے تعلیم بھی دی تھی اور جس میں حضرت متی نے آپ کے کلمات جمع کر رکھے تھے۔ علاوہ ازیں ارامی ایک ادبی زبان تھی جس میں ہر قسم کا لٹریچر اور خاص کر یہود کا مذہبی لٹریچر "ترجم" موجود تھا۔ یہ زبان کئی وجوہ سے ادبی زبان ہونے کی صلاحیت بھی رکھتی تھی۔ کیونکہ اس کی لغت کے الفاظ نہایت وسیع تھے اور اس نے بہت سی غیر زبانوں کے الفاظ اپنے اندر جذب کر رکھے تھے۔ بقول فاضل نولدیکی (Noldeke) "اس کی گرامر پیچیدہ نہ تھی۔ اس کے صرف و نحو کے قواعد آسان، سادہ اور واضح تھے۔ اس کے فقروں کی ترکیب آزادہ رو تھی اور یہ امور قدرتی طور پر صاف سلیس نثر لکھنے میں ممد و معاون تھے"۔ علاوہ ازیں ارامی زبان جاننے والے مسافر کو بحر اسود سے بلادِ مصر اور ہندوستان کی حدود سے ایجین کے کناروں تک کسی قسم کی دقت پیش نہ آتی تھی۔ پس یہ زبان اس خاص وقت میں انجیل کے پیغام کے لئے نہایت موزوں تھی اور انجیل نویسوں نے اس میں پہلے پہل اپنے خداوند کی تعلیم اور واقعاتِ زندگی کو قلمبند کیا کہ نو مرید مسیحی اپنے مذہب کے اصول اور بانی کی زندگی سے کما حقہ واقف ہو سکیں۔

اناجیل اربعہ کی تاریخ تصنیف ہم نے چاروں انجیلوں کی ادبی اصولِ تنقید کے مطابق جانچ پڑتال کرکے دیکھا ہے کہ وہ سب کی سب خداوند مسیح کی وفات کے بعد قریباً دس اور پچیس سال کے درمیانی عرصہ میں لکھی گئیں جب ابھی خداوند مسیح کے ہمعصر اور چشم دید گواہ زندہ موجود تھے۔ ان میں سے

دو انجیلوں کو حضرت کلمۃ اللہ کے رسولوں نے خود لکھا۔ ایک انجیل کو لکھوایا اور
دو پچھلے انجیل نویسوں نے بڑی کاوش اور جانفشانی کے ساتھ تمام امور کو چشم دید
گواہوں اور رسولوں سے ٹھیک ٹھیک دریافت کر کے لکھا۔ یہ اناجیل پہلی صدی
کے نصف میں آرامی زبان میں لکھی گئیں اور سب کی سب اُن نو مریدوں کے لئے
لکھی گئیں جو یہودیت سے مشرف بہ مسیحیت ہو گئے تھے۔ ان چاروں انجیلوں
میں ایک بھی واقعہ ایسا نہیں ہے جو اُن حالات کی فضا میں سانس نہ لیتی ہو جو ارض
مقدس میں پہلی صدی کے پہلے نصف میں موجود تھے۔ یہ حالات بہت جلد ہی
تبدیل ہو گئے۔ کیونکہ اہلِ یہود کے رومی سلطنت کے ساتھ جو تعلقات تھے وہ
پہلے نصف کے بعد جلد بگڑ گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ طیطس نے سنہ ۷۰ء میں
یروشلم کا محاصرہ کر کے اس کو مسخر کر لیا۔ اس کی عظیم الشان ہیکل کو جو صرف ۵ سال
پہلے مکمل ہوئی تھی برباد کر دیا۔ یہود یا قتل ہو گئے یا بھاگ کر اطراف و جوانب کے
ممالک میں پراگندہ ہو گئے۔ ان حالات کا عکس اناجیل اربعہ میں ہم کو کہیں نہیں
ملتا۔ اُن میں ہیکل کی تباہی کا ذکر نہیں پایا جاتا۔ یروشلم کی بربادی کا پتہ نہیں
چلتا۔ ان میں اہلِ یہود کی پراگندگی اور خستہ حالی کا کہیں بیان نہیں ملتا۔ حالانکہ
یہ تینوں باتیں ایسی تھیں جن کی خداوند مسیح نے پیشینگوئی کی تھی اور یہ دلیل
کاسیاء کے ہاتھوں میں ایک زبردست حربہ ہوتی۔ بالخصوص حضرت متی اس
دلیل کا ۲۷: ۲۵ کے لکھنے کے وقت ضرور فائدہ اُٹھاتے۔ لیکن اناجیل اربعہ
میں اس قسم کی دلیل کا اشارہ تک نہیں ملتا۔ یہ معنی خیز خاموشی اس بات
کو ثابت کرتی ہے کہ اناجیل اربعہ سب کی سب پہلی صدی کے پہلے نصف کی تصنیفات
ہیں۔[1]

[1] See also Allen, St. Mark (Oxford Church Biblical Commentary) p. [illegible]

(۳)

علاوہ ازیں تمام اناجیل اربعہ کی اصل مخاطب خدا کی برگزیدہ قوم اہلِ
یہود ہے۔ اگرچہ غیر یہود کا کہیں کہیں ذکر ہے اور ان کا خدا کی بادشاہی میں
شامل ہونے کی خبر بھی چاروں انجیلوں میں ہے لیکن ان میں کسی جگہ اس بات
کا اشارہ تک موجود نہیں کہ مسیحیت کا مرکزِ ثقل ارضِ مقدس سے ہٹ کر غیر
یہودی ممالک کی طرف منتقل ہو گیا ہے۔ (متی ۱۰: ۶، ۲۳ و مرقس ۷: ۲۷۔ لوقا
۱۹: ۹، ۲۲: ۳۰، ۲۴: ۴۷۔ یوحنا ۴: ۲۲ وغیرہ) حالانکہ پہلی صدی کے
نصف کے بعد اور بالخصوص ۷۰ء کے بعد یہ حالات رونما ہو گئے تھے۔ اگر
یہ حالات انجیل چہارم کی تصنیف سے پہلے کے ہوتے تو مقدس یوحنا اس
باب میں ان سے ضرور فائدہ اُٹھاتے اور موقعہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔
لیکن چاروں انجیلوں میں مسیحیت کا مرکز ارضِ مقدس ہے۔ چاروں انجیلوں
میں غیر یہود نو مریدوں کی خاطر یہودی الفاظ۔ رسوم اور دستورات کی تشریح
کی گئی ہے۔ (مرقس ۵: ۴۱، ۷: ۳، ۳۴۔ یوحنا ۱۹: ۴۰ وغیرہ) کیونکہ غیر یہود
بھی پہلی صدی کے پہلے نصف میں مسیحی ہو گئے تھے۔ چاروں انجیلوں کا
بنیادی مقصد ایک ہی ہے۔ وہ سب کی سب یہ ثابت کرتی ہیں کہ یسوع
ہی مسیح موعود ہے۔ جس کی خبر تورات۔ زبور، صحائف انبیاء میں دی گئی ہے
اور کہ مسیح موعود کی برکات عالمگیر ہوں گی جن میں مشرق و مغرب کی اقوام
مستقبل زمانہ میں برابر طور پر شریک ہوں گی۔ لیکن ابھی یہ اقوام کلیسیا میں بڑی
تعداد میں شامل نہیں ہوئیں۔ ابھی تک مسیحیت کا مرکزِ ثقل ارضِ مقدس اور
یروشلم ہی ہے۔ اناجیل میں جس کلیسیا کی تصویر ہم کو نظر آتی ہے وہ ابھی تک
شمار، عقائد اور تنظیم کے لحاظ سے اسی منزل پر ہے جس کا اعمال الرسل کے

ابتدائی ابواب میں ذکر ہے۔ جن کا تعلق پہلی صدی کے پہلے نصف کے اوائل زمانہ کے ساتھ ہے۔

فصلِ سوم۔ اناجیلِ اربعہ کے یونانی ترجمہ کا زمانہ

سطورِ بالا میں ہم بتلا چکے ہیں کہ پہلی صدی مسیحی میں ارضِ مقدس کے یہود کی مادری زبان ارامی تھی اور حضرت کلمتہ اللہ اسی زبان میں تعلیم بھی دیا کرتے تھے۔ (اعمال ۱/۱۹ ، ۲۶/۱۴ ، ۱۲/۴ ، ۲۱/۲ وغیرہ)۔ لیکن اہلِ یہود میں مسیح سے کئی صدیاں قبل ایک ترقی پسند فرقہ پیدا ہو گیا تھا جو یونانیت کا عاشق تھا۔ ہیرودیس اعظم کے زمانہ میں اس گروہ کو بہت فروغ حاصل ہو گیا تھا۔ حکامِ وقت یونانیت کے رنگ میں رنگے تھے۔ اور یونانی علم و تہذیب کی اشاعت میں ہردم کوشاں رہتے تھے۔ جو یہودی کنعان سے باہر رہتے تھے اُن کی خاطر یہودی کتبِ سماوی کا ترجمہ یونانی میں ہو گیا تھا۔ کیونکہ ان ممالک کے یہودیوں کی زبان یونانی تھی خداوند مسیح کے صعودِ آسمانی کے دس دن بعد ان یہود میں سے جو پارتھی۔ عیلامی۔ مسوپوتامیہ کپدکیہ۔ پنطس۔ آسیہ۔ فروگیہ۔ پمفولیہ۔ مصر۔ روم۔ کریت۔ عرب وغیرہ ممالک میں رہتے تھے) تین ہزار کے قریب مسیحی جماعت میں شامل ہو گئے تھے (اعمال ۲: ۹، ۴۱)۔ یہ سب کے سب یونانی بولنے والے تھے۔ آنخداوند کی وفات کے بیس سال کے اندر غیر یہود ہزاروں کی تعداد میں مسیحی کلیسیا میں شامل ہو گئے تھے۔ جہاں ظاہر، یروشلم میں پہلی صدی کے پہلے نصف میں "یہودیوں میں سے ہزارہا آدمی ایمان لے آئے تھے"۔ (اعمال ۲۱: ۲۰) وہاں اس عرصہ میں غیر یہود نو مرید سلطنتِ روم کے ہر ملک میں لاکھوں کی تعداد میں موجود ہو گئے تھے۔ اور روزانہ شمار میں ترقی کر رہے تھے۔ پس اس بات کی ضرورت لاحق ہوئی کہ ان غیر یہود نو مریدوں کی خاطر یونانی

زبان میں آنخداوند کے کلمات اور سوانح حیات ترجمہ کئے جائیں۔

چنانچہ سب سے پہلے حضرت کلمتہ اللہ کے اُن اقوال اور کلمات کا ترجمہ کیا گیا جو حضرت متی نے ارامی زبان میں جمع کئے تھے۔ چند سال ہوئے محکمہ آثارِ قدیمہ کو ملک مصر سے اس کتاب کا ایک قدیم یونانی نسخہ دستیاب ہوا۔ جب حضرت مرقس نے ارامی انجیل لکھی تو اُس کا بھی ترجمہ یونانی میں ہو گیا۔ اس ترجمہ کی بہت سی نقلیں مختلف ممالک کو بھیجی گئیں۔ یہ ترجمے یونانی بولنے والے مسیحیوں میں ہر جگہ رواج پاکر اس قدر مقبولِ عام ہو گئے کہ جب حضرت متی کی انجیل کا ترجمہ کیا گیا اور حضرت لوقا نے ارامی ماخذوں کا ترجمہ کر کے اپنی انجیل یونانی زبان میں لکھی تو ان انجیلوں کے مترجموں نے اُن عبارتوں کا جو مرقس کی انجیل سے "ور کلمات" سے لفظ بلفظ نقل کی گئی تھیں نیا یونانی ترجمہ نہ کیا بلکہ وہی ترجمہ نقل کر دیا جو اُن میں موجود تھا۔ چنانچہ جب ہم ان تینوں انجیلوں کے الفاظ کا مقابلہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت نظر آتی ہے کہ جہاں یہ تینوں یونانی انجیلیں کسی مقام پر متفق ہیں، ان تینوں کے الفاظ ایک ہی ہیں۔ اسی طرح مقدس یوحنا کی انجیل کا بھی یونانی زبان میں ترجمہ ہو گیا اور وُہ ترجمہ ہوتے ہی مقبولِ عام ہو گئی۔

(۳)

ہم اُوپر ذکر کر آئے ہیں کہ پہلی صدی کے نصف کے بعد ارضِ مقدس کے سیاسی حالات دگرگوں ہو گئے۔ یروشلم برباد ہو گیا۔ ہیکل مسمار ہو کر شہید کی گئی۔ اہلِ یہود یا مقتول ہو گئے یا رُوئے زمین پر ابتری کی حالت میں پراگندہ ہو گئے۔ ان حالات کی وجہ سے یہودی مسیحی بھی مختلف ممالک میں نقل مکانی کر گئے۔ اب ہر ملک کی کلیسیا کی بڑی اکثریت غیر یہود پر مشتمل ہو گئی۔ ان باتوں کا قدرتی نتیجہ یہ ہُوا کہ ارامی زبان کی رونق پر پانی پھر گیا۔ رفتہ رفتہ دُوسری صدی میں

ارامی اناجیلِ اربعہ کی نقلیں ہونا بند ہو گئیں اور مختلف دیار و امصار میں ان کی معدودے چند کاپیاں باقی رہ گئیں جو امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں بچ نہ سکیں۔ ممکن ہے کہ محکمہ آثارِ قدیمہ کو مستقبل کے زمانہ میں یہ کاپیاں ہاتھ آ جائیں۔ دوسری صدی کے آخر میں ارامی زبان کے یہ نسخے ایسے نایاب ہو گئے تھے کہ جیسا ہم ذکر کر چکے ہیں۔ جب سنہ ۱۹۰ء میں سکندریہ کا پینٹینس ہندوستان سے واپس گیا تو وہ ایک ارامی نسخہ تبرکاً اپنے ہمراہ لے گیا۔[1]

اب ارامی اصل کی بجائے ان اناجیلِ اربعہ کے یونانی ترجمے ہر جگہ نقل ہو کر اشاعت پا گئے اور اکنافِ عالم میں پھیل گئے۔ جن ممالک میں یونانی زبان ان اوائل صدیوں میں رائج نہ تھی ان میں یونانی متن کا ترجمہ کیا گیا۔ چنانچہ تین سو سال کے اندر یونانی اناجیلِ اربعہ کا ترجمہ شامی۔ آرمینی۔ حبشی۔ قبطی۔ لاطینی وغیرہ زبانوں میں ہو گیا اور ان ترجموں کے نسخے ہزاروں کی تعداد میں شائع ہو گئے۔ خدا کی شان۔ یا وہ زمانہ تھا جب ارامی زبان کا ہر جگہ بول بالا تھا اور یا اب یہ زمانہ آ گیا ہے جب لوگ یہ بھی بھول گئے کہ اناجیل ارامی زبان میں لکھی اور یونانی میں ترجمہ کی گئی تھیں!

(۳)

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اس زمانہ میں جو مصنف اپنے خیالات کو اقوامِ عالم تک پہنچانا چاہتا تھا اس کے لئے لازم ہو گیا تھا کہ وہ ان کو یونانی زبان میں ملبوس کرے۔ مثال کے طور پر یہودی مورخ یوسیفس کو لے لو۔ یہ شخص ارضِ مقدس کا رہنے والا اور کاہنوں کے ایک مشہور خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ اس نے فریسیوں۔ صدوقیوں اور اسینیوں سے تعلیم حاصل کی تھی۔ پر وہ یونانیت کا بڑا حامی تھا۔ اس نے اپنی کتاب "تاریخ جنگِ یہود" ارامی زبان میں لکھا۔

[1] دیکھو تاریخ کلیسیائے ہندوستان جلد دوم صفحہ ۲۶

بابل۔ عرب اور مسوپوٹامیہ کے یہودیوں کی خاطر لکھی۔ لیکن یونانی بولنے والے ملکوں اور لوگوں کی خاطر اس کو یہ کتاب یونانی میں ترجمہ کرنا پڑی۔ وہ کہتا ہے کہ اسے اپنی کتاب "انٹی کیٹیز" (antiquities) کو لکھنے کے لئے یونانی میں مہارت حاصل کرنے کے لئے بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ "ہم اپنی یہودی تاریخ کو ایک غیر زبان میں جس سے ہم مانوس نہیں، ترجمہ کرنا سخت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ میں نے بڑی ہمت اور استقلال سے کام لے کر اس کتاب کو ختم کیا ہے۔ جس کو کوئی دوسرا شخص، یہودی یا غیر یہودی اس خوبی سے نہ نباہ سکتا۔ میں نے از حد کوشش کی کہ یونانی زبان کا علم کماحقہ حاصل کروں۔ لہٰذا میں نے یونانی صرف و نحو میں بہت مشق کی۔ اگرچہ میری ذاتی عادات اور قومی حالات مجھ کو زبان پر حاوی ہونے میں سدِ راہ تھے"۔ تاہم اس کی یونانی ایسی رواں اور سلیس ہے کہ وہ ترجمہ معلوم نہیں دیتی۔

(۴)

یہ حقیقت قابلِ غور ہے کہ اگر ارامی اناجیلِ اربعہ کا ترجمہ ارضِ مقدس کی بربادی سے قبل یونانی زبان میں نہ کیا جاتا تو مسیحیت کی اشاعت فلسطین کی حدود سے آگے نہ بڑھتی اور وہ یہودی مسیحیوں تک ہی محدود رہ کر ان کی پراگندگی کے ساتھ ساتھ مختلف ممالک میں اقلیت ہونے کی وجہ سے یا تو ختم ہو جاتی یا سسک سسک کر زندہ رہتی۔ لیکن چونکہ اناجیل اربعہ کا یونانی جیسی بین الاقوامی زبان میں مستند ترجمہ ہو گیا تھا، جو اب مشرق و مغرب کی مہذب اقوام کی زبان تھی، لہٰذا مسیحیت کو عروج حاصل ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ پہلی تین صدیوں کے اندر رومی شہنشاہ قسطنطین اعظم کے مسیحی ہونے سے پہلے رومی دنیا بھر کی پے در پے اور مسلسل ایذا رسانیوں کے باوجود روئے زمین پر کوئی ملک اور شہر ایسا نہ تھا

جس میں کلیسیا کے پاس انجیل نہ تھی یا جس کی زبان میں یونانی انجیل کا ترجمہ موجود نہ تھا۔

یونانی ترجمہ کی زبان | اناجیل کے ترجمہ کی زبان وہ ٹکسالی یونانی نہیں جو افلاطون۔ ارسطو اور دیگر یونانی فلاسفہ اور ادب کے مسلم الثبوت اُستادوں کی زبان ہے بلکہ اس ترجمہ کے یونانی الفاظ اُس یونانی کے ہیں جو کوئنی (Koine) کہلاتی ہے۔ یعنی وُہ یونانی جو مسیح سے چار صدیاں بعد یونان کے باہر اُن ممالک میں بولی جاتی تھی جو سکندر اعظم کی فتوحات اور ٹولمیوں اور سلوکیوں کی بادشاہیوں کی وجہ سے یونان اور یونانیت نے تسخیر کر لئے تھے۔ محکمۂ آثار قدیمہ کی متواتر کوششوں کی طفیل ۱۸۹۰ء اور ۱۹۰۷ء کے درمیان ان آٹھ صدیوں کے نسخے۔ کتبے۔ پتھر۔ دھاتیں اور مٹی کے برتن وغیرہ دستیاب ہوئے ہیں جن سے اس "کوئنی" زبان کا پتہ چلتا ہے جو سلطنت روم میں بھی پہلی صدی میں مروج تھی اور جس میں اناجیل اربعہ کا ترجمہ کیا گیا۔ ان قدیم کاغذات کو پیپائرس (Papyrus) کہتے ہیں۔ جس سے انگریزی لفظ پیپر یعنی کاغذ نکلا ہے۔ یہ کاغذ پیپائرس کے پودے کے گودے سے بنا ہوتا تھا۔ اور باریک ہونے کے باوجود اہرام مصر سے زیادہ پائیدار تھا جسکو صرف پانی اور سیلاب ہی خراب کر سکتے تھے۔ لیکن مصر کی خشک آب وہوا کی وجہ سے یہ کاغذات صدیوں تک زیر زمین محفوظ رہے۔ ان قدیم کاغذات کی یونانی وُہ تھی جو عام طور پر ان آٹھ صدیوں میں یونانی اور رومی سلطنتوں کے ممالکِ محروسہ میں بولی جاتی تھی۔ یونانی ادیبوں کی ٹکسالی زبان کے مقابلہ میں "کوئنی" گنواری یونانی تھی۔ ان دونوں میں ویسا ہی فرق پایا جاتا ہے جو کسی مسلم الثبوت دہلوی یا لکھنوی ادیب کی تحریر اور

کسی معمولی لکھے پڑھے پنجابی کی اُردو تحریر میں پایا جاتا ہے۔

ان قدیم نسخوں سے علماء اور نقاد کو انجیل کے مجموعۂ کُتب کے الفاظ اور محاورات کے اصل معنی اور مطلب معلوم کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے مثلاً ان کاغذات کے دستیاب ہونے سے پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ انجیل متی میں لفظ "کلیسیا" (۱۶/۱۸ - ۱۸/۱۷) سے مسیحی جماعت کی وُہ منزل مراد ہے جب اُس نے دوسری صدی میں ترقی کر کے باقاعدہ طور پر منظم صورت اختیار کر لی تھی لیکن ان قدیم کتبوں میں ایک کتبہ ملا ہے جس کی تاریخ ۱۳۰ء کی ہے۔ جس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ لفظ ہر قسم کی جماعت کے لئے استعمال کیا جاتا تھا خواہ وُہ منظم ہو یا غیر منظم۔ ان قدیم کاغذات کے ذریعے ہم یہودی صحفِ سماوی کے یونانی ترجمہ سیپٹواجنٹ (ترجمہ سبعینیہ) کے الفاظ کے مفہوم کو بھی بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں کیونکہ یہ ترجمہ بھی انہی صدیوں کے دوران میں ہوا تھا۔

اناجیل اربعہ کے یونانی ترجمہ کی خصوصیت | جب ہم یونانی ترجمۂ اناجیل کی چھان بین کرتے ہیں تو ہم کو یہ عجیب بات نظر آتی ہے کہ اگرچہ ان کے مترجم قادر الکلام ادیب ہیں اور یونانی زبان کی لُغت اور الفاظ اور گرامر پر حاوی ہیں اور مترادف الفاظِ یونانی کے باریک فرق اور امتیاز سے کماحقہ واقف ہیں اور ان کا محلِ استعمال بھی جانتے ہیں اور ارامی کا ترجمہ عام فہم سلیس یونانی الفاظ میں بھی کرتے ہیں۔ تاہم اُن کے یونانی فقروں کی ساخت اور عبارت کی ترکیب بھدی ہے اور وُہ نہیں جو عام طور پر اُس وقت لکھی یا بولی جاتی تھی۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جب ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کیا جاتا ہے تو الفاظ و محاورات وغیرہ کے نازک معانی

اور مطالب کو ادا کرنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے۔ لیکن یہ چاروں مترجم اُرامی الفاظ و محاورات اور یونانی زبان دونوں پر قادر ہیں اور صرف وہی علامِ الفاظ استعمال کرتے ہیں جو موزوں اور درست ہیں۔ کیونکہ یونانی اُن کی مادری زبان ہے لیکن تس پر بھی اناجیلِ اربعہ کی عبارت بھدی۔ بے ڈول اور بے ڈھنگی ہے۔

(۳)

یہی حال عہدِ عتیق کے یونانی ترجمہ سیپٹواجنٹ کا ہے جو علم و فضل کے مرکز شہر سکندریہ میں کیا گیا تھا۔ اس کے مترجمین کی بھی مادری زبان یونانی تھی اور وہ عبرانی اور یونانی دونوں زبانوں کے ماہر عالم تھے لیکن پھر بھی جس طرح اناجیل اربعہ کے یونانی فقروں کی ساخت بھدی ہے اُسی طرح سیپٹواجنٹ کی عبارت بھی بے ڈھنگی ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ صحفِ عہدِ عتیق اور اناجیل اربعہ دونوں کے ترجموں میں اصل الفاظ کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ یہ حقیقت ہم پر ظاہر ہو جاتی ہے جب ہم عہدِ عتیق کی کتب کے عبرانی متن کا سیپٹواجنٹ کے یونانی متن سے مقابلہ کرتے ہیں۔ ان کتب کے مترجمین عبرانی کتبِ سماوی کے ایک ایک لفظ کو الہامی مانتے تھے لہذا اُنہوں نے عبرانی عبارت کا نہایت کاوش اور جانفشانی کے ساتھ لفظی ترجمہ کیا اور اس بات کا خاص خیال رکھا کہ ایسے عام فہم یونانی لفظ مہیا کئے جائیں جو عبرانی لفظ کے مفہوم کو عین درست طور پر ادا کر سکیں خواہ ایسا کرنے میں یونانی عبارت بے ڈول ہی معلوم دے۔ مثلاً مُشتے نمونہ از خروارے۔ گنتی ۹: ۱۰ کا اُردو ترجمہ یہ ہے "اگر تم میں سے کوئی آدمی کہیں دُور سفر میں ہو تو بھی وُہ خداوند کے لئے عید فسح کرے"۔ اُردو میں عبرانی

لفظ "اِیش" کا ترجمہ "کوئی آدمی" کیا گیا ہے۔ لیکن عبرانی محاورہ کے مطابق جب مُراد ہر آدمی یعنی ایک ایک فرد سے ہو تب یہ مفہوم لفظ "ایش" کو دوبارہ لکھنے سے ادا ہوتا ہے یعنی "اِیش ایش"۔ پس عبرانی متن میں اس آیت میں آیا ہے "ایش ایش"۔ سیپٹواجنٹ کے مترجمین نے اُردو مترجمین کی طرح نہیں کیا بلکہ عبرانی کا لفظی ترجمہ کر کے یونانی میں "این تھروپوس۔ این تھروپوس" ανθρωπος, ανθρωπος یعنی "آدمی آدمی" کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ یونانی زبان کے محاورہ اور قواعد کے سراسر خلاف ہے۔ کوئی سلیم العقل شخص یہ خیال بھی دل میں نہیں لا سکتا کہ اس قسم کی یونانی سکندریہ جیسے دارالعلوم میں لکھی یا بولی جاتی تھی۔ لیکن ان مترجمین کو یہ احساس تھا کہ وُہ ایک الہامی کتاب کے الہامی الفاظ کا ترجمہ کر رہے ہیں۔ پس اُنہوں نے یونانی محاورہ کی طرف سے لاپرواہ ہو کر ایسا ترجمہ کیا جو لفظی تھا اور یُوں اصل عبرانی متن کے ایک ایک لفظ کو ترجمہ کرتے وقت ملحوظِ خاطر رکھا۔

اناجیل اربعہ کے مترجمین کو بھی اس بات کا احساس تھا کہ وہ کسی معمولی قسم کی کتابوں کا ترجمہ نہیں کرتے۔ ان کا یہ ایمان تھا کہ وُہ ایسی کتابوں کا ترجمہ کرتے ہیں جن میں ان کی نجات کے بانی کی اپنی زبان کے الفاظ اور واقعاتِ زندگی اور موت محفوظ ہیں۔ ان کے نزدیک یہ کتابیں مقدس کتابیں تھیں اور یہودی صحفِ سماوی سے کئی گُنا زیادہ قابلِ سند تھیں (متی ۱۲: ۲۶؛ ۴۱-۴۲، یوحنا ۱: ۱-۱۸ و عبرانیوں ۱: ۱-۲، ۲ پطرس ۱: ۲۰-۲۱، ۳: ۲-۱۵ وغیرہ) پس اُنہوں نے سیپٹواجنٹ کے مترجمین کا نمونہ اختیار کیا۔ اُنہوں نے یونانی زبان کے محاورہ۔ گرامر اور فقروں کی ساخت اور ترکیب کے قواعد کو بالائے طاق رکھ دیا اور سخت پابندی کے ساتھ اصل الہامی کا موزوں عام فہم

یونانی الفاظ میں ترجمہ کر دیا۔ اس یونانی ترجمہ کی عبارت اہلِ قلم ادیبوں کی نظروں میں بھدی اور بے ڈول ہے۔ کوئی یونانی ادیب اس قسم کی عبارت نہیں لکھ سکتا تھا جس کے الفاظ تو عام فہم ہوں لیکن فقرے یونانی محاورات اور اصولِ گرامر کی طرف سے بے نیاز ہوں۔ لیکن اس قسم کا ترجمہ اناجیلِ اربعہ کے چاروں مترجموں کے مقصد کو کما حقہ پورا کرتا تھا۔

(۴)

اس بات کو ہم شاہ عبد القادر اور شاہ رفیع الدین محدث دہلوی کے قرآنی ترجموں کی مثال سے کچھ کچھ سمجھ سکتے ہیں۔ اگرچہ ارامی اور یونانی۔ عربی اور اردو زبانوں کے قواعد گرامر اور انشاء پردازی میں بڑا فرق ہے۔ شاہ رفیع الدین سورۂ بقر کی ابتدائی آیات کا تحت اللفظی ترجمہ یوں کرتے ہیں "یہ کتاب نہیں شک بیچ اس کے راہ دکھاتی ہے واسطے پرہیزگاروں کے وہ جو ایمان لاتے ہیں ساتھ غیب کے اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور اس چیز سے کہ دی ہے ہم نے اُن کو خرچ کرتے ہیں اور جو لوگ کہ ایمان لاتے ہیں ساتھ اس چیز سے کہ اتاری گئی ہے طرف تیری اور جو کچھ اتاری ہے پہلے تجھ سے اور ساتھ آخرت کے وُہ یقین رکھتے ہیں۔ یہ لوگ اوپر ہدایت کے ہیں پروردگار اپنے سے اور یہ لوگ وہی ہیں چھٹکارا پانے والے" وغیرہ وغیرہ۔ شاہ صاحب مرحوم دہلوی تھے۔ ٹکسالی اُردو بولنے والے تھے۔ اُردو اور عربی دونوں زبانوں پر حاوی تھے۔ کوئی واقف کار شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اُن کے زمانے میں اس قسم کی "گلابی اُردو" لکھی یا بولی جاتی تھی لیکن وُہ ایک ایسی کتاب کا تحت اللفظی ترجمہ کر رہے تھے جس کے ایک ایک لفظ کو وُہ اللہ سے منسوب کرتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ سب کے سب

الفاظ عام فہم ہیں۔ اور گو مترجم ایک عالم شخص ہے لیکن فقروں کی ترکیب اور ساخت اور اُردو انشا پردازی کی طرف سے لا پرواہ ہے۔ اگرچہ اناجیل اربعہ کا یونانی ترجمہ اس قسم کی "گلابی" یونانی کا سا تحت اللفظی ترجمہ نہیں ہے تاہم اس مثال سے ہم کو مترجمین کے خیالات اور نکتۂ نگاہ کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔ اناجیلِ اربعہ کے یونانی مترجم بھی ایسی ہی ذہنیت کے مالک تھے۔ انہوں نے یونانی قواعدِ انشا پردازی کو پسِ پشت پھینک دیا اور اصل ارامی متن کا عام فہم یونانی فقروں میں ارامی الفاظ کا ترجمہ کر دیا۔

اناجیل اربعہ کے متن کی صحت

اس "غلامانہ" لفظی ترجمہ سے دو فائدے ضرور ہوئے۔ **اوّل**۔ چونکہ یہ مترجمین ارامی اور یونانی دونوں زبانوں میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے انہوں نے لفظی ترجمہ کرتے وقت اس بات کا سخت پابندی کے ساتھ خاص خیال رکھا کہ یونانی کے صرف وُہی الفاظ استعمال کئے جائیں جو ارامی الفاظ کے مفہوم کو کما حقہ بطرزِ احسن فبہا اللہ درست طور پر ادا کر سکیں ترجمہ کرتے وقت انہوں نے الفاظ کے نازک فرق کو اور مترادف الفاظ کے باریک امتیازات کو ملحوظِ خاطر رکھا۔ پس ان کے یونانی الفاظ نہایت صحت کے ساتھ ارامی اصل مطالب کو ادا کرتے ہیں۔ اور ہم اس بیسویں صدی کے درمیان اصل ارامی متن کو جان سکتے ہیں اور معلوم کر سکتے ہیں کہ پہلی صدی کے اوائل میں حضرت کلمتہ اللہ نے کیا کہا تھا اور کیا کیا تھا۔ پس یہ لفظی یونانی ترجمہ اصل ارامی متن کی صحت کا زندہ جیتا جاگتا ضامن ہے۔ جس طرح ترجمہ سپٹواجنٹ عہدِ عتیق کے عبرانی متن کا محافظ ہے۔

دوم۔ اناجیل اربعہ کے ان مترجمین کی فاضلانہ کوششوں کی طفیل ہمارے زمانہ کے نقاد اور محقق آج اس قابل ہیں کہ موجودہ یونانی اناجیل کے متن کے الفاظ کے ذریعہ وہ اُن اصل ارامی الفاظ کو معلوم کر سکیں جن کا وہ لفظی ترجمہ ہیں۔ چنانچہ

ہمارے زمانہ کے بعض علماء نے جو ارامی اور یونانی دونوں زبانوں کے ماہر ہیں اناجیل اربعہ کے یونانی الفاظ کا پھر دوبارہ ارامی زبان میں لفظی ترجمہ کر کے اصل ارامی اناجیل کے متن کا پتہ لگانے کی کوشش کی ہے۔ ایسا ایک ترجمہ اس وقت میری میز پر رکھا ہے۔ جس کا مترجم امریکہ کا مشہور فاضل پروفیسر ٹوری (Torrey) ہے۔

انجیل کے مجموعہ کے باقی رسائل پہلی صدی کے نصف کے بعد دوازدہ رسل کی کوششوں کی طفیل اور صدہا مسیحی مبلغین کی مساعی جمیلہ کی بدولت غیر یہود کثرت سے کلیسیا میں شامل ہو گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسولوں اور مبلغوں نے جو خطوط مختلف کلیسیاؤں کو پہلی صدی کے نصف حصہ کے بعد لکھے وہ ان کو یونانی زبان میں لکھنے پڑے۔ ان خطوط میں تیرہ خط مقدس پولوس نے لکھے۔ دو مقدس پطرس نے لکھے۔ تین مقدس یوحنا نے لکھے۔ ایک خط حضرت کلمتہ اللہ کے بھائی حضرت یعقوب نے لکھا۔ یہ تمام خطوط اور رسائل ابتدا ہی سے یونانی زبان میں لکھے گئے اور اب تک انجیل کے مجموعہ میں محفوظ ہیں۔

حصۂ دوم

تمہید

ہم نے پہلے حصہ میں شرح اور بسط کے ساتھ ڈاکٹر ٹوری کے نظریہ کو بیان کیا ہے کہ اناجیل اربعہ پہلے پہل ارامی زبان میں لکھی گئیں اور بعد میں ان ارامی انجیلوں کا یونانی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ اس نظریہ کی تائید میں اس جید عالم نے اناجیل اربعہ کا نیا ترجمہ اور ایک مشرح کتاب اور متعدد مضامین شائع کئے ہیں۔

چند دیگر علماء بھی ڈاکٹر ٹوری کے ہمنوا ہو کر یہی کہتے ہیں کہ اناجیل اوّل اوّل ارامی زبان میں لکھی گئیں اور یہ ایک قدرتی بات معلوم دیتی ہے کیونکہ خداوند مسیح کی اور آپ کے بارہ رسولوں کی مادری زبان ارامی تھی۔ اور اولین نو مرید ارامی بولنے والے یہودی تھے جن کی خاطر یہ انجیلیں احاطۂ تحریر میں آئیں چنانچہ آرچ ڈیکن ایلن (Allen) انجیل دوم کی نسبت کہتے ہیں کہ موجودہ یونانی انجیل اصل ارامی انجیل مرقس کا ترجمہ ہے۔ پروفیسر برنی نے ایک مبسوط کتاب لکھ کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ انجیل چہارم پہلے پہل ارامی زبان میں لکھی گئی تھی جس کا بعد میں یونانی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ اسی قابل مصنف نے ایک اور کتاب میں یہ ثابت کیا ہے کہ اناجیل اربعہ بالخصوص مقدس متی کی انجیل عبرانی علم ادب کی صنعتوں سے معمور ہے۔ مشہور نقاد ڈاکٹر ڈلمین (Dalman) نے اپنی کتاب میں ثابت کیا ہے کہ حضرت کلمتہ اللہ کے کلمات طیبات کی اصل زبان

ارامی ہے جن کو یونانی لباس پہنایا گیا ہے۔ دیگر علمائے مغرب ڈاکٹر توری اور پروفیسر برنی کی طرح یہ کہنے کو تیار نہیں کہ اناجیل اربعہ اوّل سے آخر تک تمام کی تمام پہلے پہل ارامی زبان میں لکھی گئی تھیں لیکن ان علماء کی قریب قریب سب جماعت اس امر پر متفق ہے کہ اناجیل اربعہ کے ماخذ کم و بیش سب کے سب ارامی میں تھے جن کو یونانی لباس پہنایا گیا ہے[6]۔

1. Torray, The four Gospels. also our Translated Gospels.
2. St. Mark, Oxford Church Biblical Commentary (Preface and Introduction)
3. Burney, The Aramaic Origin of the fourth Gospel Clarendon press 1922.
4. Burney, The poetry of our Lord. Oxford 1925.
5. Dalman, The words of Jesus. T & T Clark, Edinbrogh 1902.
6. Black, Aramaic approach to the Gospels and acts. (Clarendon press 1946.)

پروفیسر توری نے پانچ کتابوں میں یہ ثابت کیا ہے کہ یونانی اناجیل

اربعہ میں جن آیات کی ہم کو سمجھ نہیں آتی وہ سب کی سب درحقیقت اصل ارامی متن کا غلط یونانی ترجمہ ہیں۔ ان کی سمجھ میں نہ آنے کی وجہ یہی ہے کہ یونانی اناجیل کے مترجموں نے ان آیات کے کسی ارامی لفظ کا صحیح ترجمہ نہیں کیا جس سے اصل مطلب خبط ہو گیا ہے۔ پس اس جید عالم نے (جو ارامی اور یونانی دونوں زبانوں کا ماہر ہے) ایسے یونانی الفاظ کا پھر سے ارامی زبان میں دوبارہ ترجمہ کر کے غلطی کھانے کی اصل وجہ دریافت کر کے اُس خاص لفظ کی ارامی زبان میں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے جس کی وجہ سے مترجم کو دھوکا ہوا۔ اور جس کا اس نے ایسا ترجمہ کر دیا جو اصل ارامی کے مطلب کو ادا نہیں کرتا۔ اور اس غلط ترجمہ کا نتیجہ اب یہ ہوا ہے کہ اس خاص آیت کو سمجھنے میں دقت پیش آتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ڈاکٹر توری اور پروفیسر برنی کے ثبوت وزن رکھتے ہیں۔ رسالہ کے اس حصہ سے ناظرین ڈاکٹر موصوف کے نئے ترجمہ کو دیکھ کر خود محسوس کریں گے کہ ان کے خیالات نہایت معقول ہیں۔ اگر صاحب موصوف کی یہ کوشش کامیاب ہو جائے تو ان کا یہ نظریہ پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ یونانی اناجیل اربعہ درحقیقت ارامی اصل متن کا ترجمہ ہیں۔

میں نے ذیل میں اناجیل اربعہ کی صرف تیس ۳۰ مشکل اور پیچیدہ آیات کا ترجمہ کیا ہے۔ تاکہ جس طرح مجھے ڈاکٹر توری کی کتب کے مطالعہ سے ان آیات کا اصل مطلب سمجھنے میں مدد ملی ہے، اردو خواں ناظرین کی مشکلات بھی رفع ہو جائیں اور وہ انجیل جلیل کی ان آیات کے اصل مفہوم کو معلوم کر کے انجیل جلیل کے مطالعہ سے مستفید ہو سکیں۔

"اور مالک نے بے ایمان مختار کی تعریف کی اس لئے کہ اس نے ہوشیاری کی تھی۔ اور میں تم سے کہتا ہوں کہ ناراستی کی دولت سے اپنے لئے دوست پیدا کرو تاکہ جب وہ جاتی رہے، تو یہ تم کو ہمیشہ کے مسکنوں میں جگہ دیں۔" لوقا ۱۶: ۸-۹

ان آیات کا موجودہ ترجمہ خداوند مسیح کی تعلیم کے عین ضد ہے کیونکہ ان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک بے ایمان اور خائن مختار کی بددیانتی کو اپنے شاگردوں کے لئے ایک نمونہ بتلاتے ہیں لہذا مفسرین ہر ممکن طور پر کوشش کرتے ہیں کہ ان آیات کی ایسی تاویل کی جائے جو انجیل جلیل کی تعلیم کے مطابق ہو۔ لیکن جہاں تک راقم الحروف کا مطالعہ ہے یہ کوششیں بیکار ثابت ہوئی ہیں۔

پروفیسر ٹوری صاحب کا یہ نظریہ ہے کہ ان آیات کا یونانی متن ارامی متن کا غلط ترجمہ ہے جس کی وجہ سے ان کے سمجھنے میں دقت پیش آتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ارامی زبان میں استفہامیہ نشان نہیں پایا جاتا تھا لیکن سیاق وسباق کے ذریعے پڑھنے والے پر ظاہر ہو جاتا تھا کہ فقرہ بیانیہ ہے یا کہ استفہامیہ ہے۔ روزمرہ کی گفتگو میں بھی ہم کسی استفہامیہ فقرے یا سوال کو لفظ "کیا" سے شروع نہیں کیا کرتے بلکہ بولنے والے کا لہجہ اور انداز خطاب ظاہر کر دیتا ہے کہ فقرہ بیانیہ ہے یا استفہامیہ۔ مثلاً جب کوئی کہتا ہے "میں کہتا ہوں۔ پانی پی لو" اس فقرے سے دو باتیں مراد ہو سکتی ہیں یعنی یہ کہ بولنے والے نے حکم یا صلاح دی تھی لیکن اس سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے۔ "کیا میں کہتا ہوں کہ پانی پی لو؟" اور بولنے والے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں یہ نہیں کہتا۔ اس صورت میں یہ فقرہ بیانیہ ہونے کی بجائے استفہامیہ ہو جاتا ہے جس کا جواب نفی میں ہوتا ہے لیکن یہ بات

کہنے والے کے لہجے پر منحصر ہے کہ فقرہ کو بیانیہ سمجھا جائے یا استفہامیہ سمجھا جائے۔

پس جب کلمتہ اللہ نے ارامی زبان میں آیات ۸ اور ۹ کو اپنی زبان مبارک سے فرمایا تو آپکا درحقیقت یہ کہنے کا منشا تھا۔ "کیا مالک نے بے ایمان مختار کی تعریف کی اس لئے کہ اس نے ہوشیاری کی تھی؟ (ہرگز نہیں) اور کیا میں تم سے کہتا ہوں کہ ناراستی کی دولت سے اپنے لئے دوست پیدا کرو؟ (ہرگز نہیں)"

پس اس نظریہ سے ان آیات کا مطلب صاف اور واضح ہو جاتا ہے جو انجیل جلیل کی اخلاقی اور روحانی تعلیم کے عین مطابق بھی ہے۔ اس مقام میں کلمتہ اللہ اپنے شاگردوں کو ایمانداری کا سبق دینا چاہتے ہیں تاکہ وہ ان امور کا جو ان کے سپرد کئے گئے ہیں صحیح استعمال کیا کریں۔ کیونکہ اندیشہ ہے کہ ان کے غلط استعمال سے وہ ان کو ہاتھ سے کھو بیٹھیں گے۔ اور اگر وہ اپنی دنیاوی ترقی اور نفس پروری کی خاطر ان کا غلط استعمال کرینگے تو ان کا نقصان کریں گے۔ اس سبق کو ذہن نشین کرنے کے لئے کلمتہ اللہ نے حسب عادت ایک تمثیل کے ذریعہ ان کو تعلیم دی جو طنز آمیز ہے۔ اور ظریفانہ پیرایہ میں بیان کی گئی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر اس جہان کے فرزند ہوشیار اور چالاک ہوں تو وہ اپنی مختاری کو بددیانتی سے اپنی دنیاوی ترقی کا وسیلہ بنا لیتے ہیں لیکن نور کے فرزند یہ غلط خیال رکھتے ہیں کہ وہ خدا اور دولت دونوں کی خدمت کر سکتے ہیں۔ کیا ان کے دوست جن کو وہ رشوت دیتے ہیں یہ ذمہ لے سکتے ہیں کہ وہ ان کو فردوس میں جگہ دینگے؟ جب دولت جیسی معمولی شے اپنا برا اثر چھوڑے بغیر نہیں رہ سکتی اور وہ ناراست دولت کے معاملہ میں دیانت دار نہ ٹھہرے تو کون ہے جو حقیقی دولت کو ان کے سپرد کر دے گا؟ پس آیات ۸ تا ۱۳ یوں پڑھی جانی چاہئیں۔

(جب بے ایمان مختار نے اپنے مالک کو اس طرح دغا دی) تو کیا مالک

نے بے ایمان مختار کی تعریف کی ہوگی۔ اس لئے کہ اُس نے ہوشیاری کی تھی؟ (کیونکہ اس جہان کے فرزند اپنے ہم جنسوں کے ساتھ معاملات میں نور کے فرزندوں سے زیادہ ہوشیار ہیں)؟ (ہرگز نہیں) اور کیا میں تم سے کہتا ہوں کہ ناراستی کی دولت سے اپنے لئے دوست پیدا کرو تاکہ جب وہ جاتی رہے تو یہ تم کو ہمیشہ کے مسکنوں میں جگہ دیں؟ (ہرگز نہیں)۔ جو تھوڑے سے تھوڑے میں دیانت دار ہے وہ بہت میں بھی دیانتدار ہے۔ اور جو تھوڑے سے تھوڑے میں بددیانت ہے وہ بہت میں بھی بددیانت ہے۔ پس جب تم ناراست دولت میں دیانت دار نہ ٹھہرے تو حقیقی دولت کون تمہارے سپرد کرے گا؟ اور اگر تم بیگانے مال میں دیانتدار نہ ٹھہرے تو جو تمہارا اپنا ہے اسے کون تمہیں دیگا! کوئی نوکر دو مالکوں کی خدمت نہیں کرسکتا۔ تم خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کرسکتے۔

متی ۲۶/۴۵ - مرقس ۱۴/۴۱

موجودہ ترجمہ کے مطابق باغ گتسمنی میں جانکنی کے وقت خداوند اپنے عزیز مقرب شاگردوں کو حکم دیتے ہیں "اب سوتے رہو اور آرام کرو"۔ حالانکہ اس سے قبل آپ نے ان کو حکم دیا تھا "تم یہاں ٹھہرو اور جاگتے رہو" (آیت ۳۵) اور جب اُن کو خوف و رنج سے سوتا پایا تو فرمایا تھا۔ "اے شمعون تو سوتا ہے؟ کیا تو ایک گھڑی بھی نہ جاگ سکا" (آیت ۳۷)۔ پھر تعجب یہ ہے کہ سونے اور آرام دینے کا حکم دیتے ہیں اور حکم دینے کے عین بعد فرماتے ہیں "بس وقت آپہنچا۔ اُٹھو" (آیات ۴۱، ۴۲)۔ یقیناً ناظرین کو یاد ہوگا کہ ہم نے یوحنا ۱۶/۸-۹ پر بحث کرتے وقت یہ بتلایا تھا کہ ارامی زبان میں استفہامیہ نشان نہیں تھا۔ لیکن سیاق و سباق کے ذریعے پڑھنے والے پر ظاہر ہوجاتا تھا کہ فقرہ بیانیہ ہے یا استفہامیہ۔ آیت زیر بحث بھی درحقیقت

استفہامیہ ہے۔ اس مقام میں آں خداوند اپنے مقرب شاگردوں کو سونے کا حکم نہیں دیتے۔ بلکہ سوال کرتے ہیں۔ "کیا تم اب بھی سوتے اور آرام کرتے رہو گے"؟ جرمن نقاد وہاسن کا بھی یہی خیال ہے[1]۔ اس نظریہ کو لوقا ۲۲/۴۶ سے بھی تقویت ملتی ہے۔ جہاں خداوند ان سے سوال کرتے ہیں۔ "تم سوتے کیوں ہو"؟

پس ان آیات کا صحیح اردو ترجمہ حسب ذیل ہے۔ "پھر وہ ایک جگہ آئے جس کا نام گتسمنی تھا۔ اور اس نے اپنے شاگردوں سے کہا۔ "تم یہاں ٹھہرو اور جاگتے رہو" اور وہ تھوڑا آگے بڑھا اور زمین پر گر کر دعا مانگنے لگا۔ پھر وہ آیا اور انہیں سوتا پاکر پطرس سے کہا۔ "اے شمعون تو سوتا ہے؟ کیا تو ایک گھڑی بھی نہ جاگ سکا؟ جاگو اور دعا مانگو تاکہ (آنے والے) امتحان (جو قریب ہے) میں تم گر نہ جاؤ"۔ پھر وہ چلا گیا اور پھر آکر انہیں سوتا پایا۔ اور وہ انہیں چھوڑ کر پھر چلا گیا۔ پھر تیسری بار اُن سے کہا۔ کیا تم اب بھی سوتے اور آرام کرتے رہو گے؟ بس وقت آن پہنچا ہے[2] ... اُٹھو" (مرقس ۱۴/۳۲-۴۲)

1. McNeil, St. Matthew p. 392
2. " The end and the hour are pressing (Black, An Aramaic approach to the Gospels. p. 162)

یوحنا ۶/۳۲ - "میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ کہ موسیٰ نے تمہیں آسمانی روٹی نہ دی۔ لیکن میرا باپ تم کو حقیقی روٹی آسمان سے دیتا ہے۔"

موجودہ ترجمہ کے مطابق خداوند مسیح ایک صریح واقعہ کا انکار کرتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ اس واقعہ کا انکار آپ کی دلیل کے لئے ضروری نہ تھا اور نہ آپ کے مخالفوں نے حضرت موسیٰ کا نام ہی لیا تھا۔ ان باتوں کے برعکس اس واقعہ کا تسلیم کرنا ہی آپ کی دلیل کی بنیاد تھی۔ بنا بریں متن کا یہ یونانی ترجمہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ ارامی زبان میں استفہامیہ نشان نہ تھا۔ لیکن اہل زبان پڑھتے وقت سمجھ جاتے تھے کہ فلاں فقرہ بیانیہ ہے یا استفہامیہ۔ سوال کی صورت اور پوچھنے کا انداز اور بولنے والے کا طریقہ خطاب سامعین پر خود ظاہر کر دیتا تھا کہ فقرہ استفہامیہ کا جواب "ہاں" ہے یا "نہیں"۔ مثلاً اگر بولنے یا پڑھنے والا کہے "بادشاہ صاحب قدرت نہیں ہے" تو اگر اس کا انداز خطاب سوالیہ ہوگا تو اس کا مطلب یہ ہوگا۔ "کیا بادشاہ قدرت والا نہیں ہے؟" اور اس کا جواب سامعین کے دلوں میں ہوگا۔ "ہاں وہ ضرور قدرت والا ہے۔" لیکن اگر اس کا انداز خطاب سوالیہ نہیں ہوگا تو یہ جملہ بیانیہ ہوگا کہ بادشاہ قدرت والا شخص نہیں ہے۔

پروفیسر ٹوری کے مطابق یہ آیت بیانیہ نہیں جیسا کہ موجودہ ترجمہ ظاہر کرتا ہے بلکہ استفہامیہ ہے۔ فصیح ارامی مقرر عموماً ایسا سوال کرتے تھے جس کا جواب مخالف و موالف کے نزدیک مسلم ہوتا۔ پھر وہ اس مسلم جواب کو اپنی دلیل کی بنیاد قرار دے کر بحث کرتے تھے۔ اور اپنے دعوے کو ثابت کرتے تھے مثلاً زبور ۹۴: ۸-۱۱۔ اسی طرز کو خداوند مسیح نے بھی اختیار فرمایا۔ آپ یہودی سامعین سے فرماتے ہیں۔ "میں تم سے ایک سچی بات کہتا ہوں۔ کیا موسیٰ نے تم کو روٹی آسمان سے نہ دی تھی؟ (ہاں۔ ضرور دی تھی) لیکن (اب) میرا باپ تم کو (بغیر کسی انسانی وسیلہ

کے) آسمان سے حقیقی روٹی بخشتا ہے۔"

خداوند اکثر اس قسم کی دلیل سے مخالفین کا منہ بند کیا کرتے تھے۔ مثلاً اسی انجیل کے اگلے باب میں آپ اشقی یہود سے پوچھتے ہیں۔ کیا موسیٰ نے تمہیں شریعت نہیں دی؟ (ہاں۔ ضرور دی) تو بھی تم میں سے شریعت پر کوئی عمل نہیں کرتا۔ تم کیوں میرے قتل کی کوشش میں ہو؟" (۷ باب ۱۹ آیت)

پس اس آیہ شریفہ کا صحیح ترجمہ یہ ہوا۔

"یسوع نے ان سے کہا۔ کیا موسیٰ نے وہ روٹی تم کو آسمان سے نہ دی تھی؟ لیکن میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ میرا باپ آسمان سے تمہیں حقیقی روٹی دیتا ہے۔"

یوحنا ۲۷/۷-۲۸۔ "اسکو تو ہم جانتے ہیں کہ وہ کہاں سے ہے پر مسیح جب آئے گا تب کوئی نہیں جانے گا کہ وہ کہاں سے ہے یسوع نے ہیکل میں تعلیم دیتے وقت پکار کر کہا۔ تم مجھے جانتے ہو۔ اور یہ بھی کہ میں کہاں سے ہوں۔ میں تو آپ سے نہیں آیا لیکن میرا بھیجنے والا سچا ہے۔ جسے تم نہیں جانتے"

موجودہ متن کے مطابق اس مقام میں اہل یہود کہتے ہیں کہ وہ خداوند کو جانتے ہیں اور خداوند بھی اس بات کا اقبال کرتے ہیں کہ بنی یہود آپ کو جانتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ خدا سچا ہے۔ جو متنازعہ فیہ بات ہی نہ تھی۔ اور جس کا اہل یہود نے انکار بھی نہیں کیا تھا۔ علاوہ ازیں اس کے بعد ہی آپ فرماتے ہیں کہ یہود آپ کو نہیں جانتے (۸/۱۴-۱۹) ان مشکلات کی بنا پر ٹوری صاحب خیال کرتے ہیں کہ

متن کا موجودہ یونانی ترجمہ غلط ہے۔ بلکہ اصل ارامی کلمہ جو خداوند نے زبانِ مبارک سے فرمایا تھا وہ بیانیہ نہیں تھا۔ بلکہ درحقیقت استفہامیہ تھا۔ جس کا جواب نفی میں تھا۔ ڈاکٹر ٹوری کا ترجمہ دونوں مشکلوں کو دور کر دیتا ہے آپ کے خیال میں صحیح ترجمہ یہ ہے:-

یہود کہنے لگے "کہ اس کو تو ہم جانتے ہیں کہ کہاں کا ہے۔ مگر مسیح جب آئیگا تو کوئی نہ جانے گا کہ وہ کہاں کا ہے۔ پس یسوع نے ہیکل میں تعلیم دیتے وقت پکار کر کہا "کیا تم مجھے جانتے ہو؟ اور کیا تم یہ بھی جانتے ہو کہ میں کہاں کا ہوں؟ (ہرگز نہیں) لیکن حق تو یہ ہے کہ میں آپ سے نہیں آیا بلکہ جس نے مجھے بھیجا ہے اسکو تم نہیں جانتے۔"

یوحنا ۱۱/۴۹۔ "ان میں سے کائفا نام کا ایک آدمی جو اس سال سردار کاہن تھا اس نے کہا۔ تم کچھ نہیں جانتے ہو اور یہ سوچتے نہیں ہو کہ تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ ایک آدمی امت کے واسطے مرے اور ساری قوم ہلاک نہ ہو۔"

ڈاکٹر ٹوری کے مطابق یہ فقرہ بھی استفہامیہ ہے بیانیہ نہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر یہ فقرہ استفہامیہ مان لیا جائے تو وہ زیادہ موثر ہو جاتا ہے۔ اور انجیل نویس کے مقصد کو بہتر طور پر ادا کرتا ہے۔ چنانچہ یہ ترجمہ یوں ہوگا:-

"کیا تم کچھ سوجھ نہیں رکھتے؟ کیا تم یہ سوچ نہیں سکتے کہ تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ ایک آدمی امت کے واسطے مرے نہ کہ ساری قوم ہلاک ہو"؟

یوحنا ۱۲/۷۔ "اسے یہ عطر میرے دفن کے دن کیلئے رکھنے دے" یہاں عجیب بات یہ ہے۔ کہ عورت نے عطر کو یسوع کے پاؤں پر ڈال دیا تھا۔ لیکن خداوند یہوداہ غدار کو فرماتے ہیں کہ اسے یہ عطر میرے دفن کے دن کے لئے رکھنے دے۔ جب عطر ختم ہو چکا ہے تو وہ کس طرح رکھا جا سکتا ہے؟ پروفیسر ٹوری کے مطابق ارامی اصل کا یہ یونانی ترجمہ غلط ہے صحیح ترجمہ یہ ہے:-

"اسے (یعنی عورت کو) رہنے دو۔ کیا وہ یہ عطر میرے دفن کے دن کے لئے رکھ چھوڑے؟" پس اصل ارامی فقرہ بیانیہ نہیں بلکہ استفہامیہ ہے۔

مرقس ۴/۱۲۔ لوقا ۸/۱۰۔ متی ۱۳/۱۳

ان کے لئے جو باہر ہیں سب باتیں تمثیلوں میں ہوتی ہیں تاکہ وہ دیکھتے ہوئے دیکھیں اور معلوم نہ کریں اور سنتے ہوئے سنیں اور نہ سمجھیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ رجوع لائیں اور معافی پائیں۔

اہل یہود کی کتب مقدسہ میں خدا کے اصل مقصد اور اس کے اٹل قوانین کے نتائج میں تمیز نہیں کی گئی۔ جو واقعہ خدا کے مقصد اور ارادہ کا ظہور تصور کیا جاتا تھا۔ اگر اہل یہود تائب ہو کر خدا کے پاس نہیں آتے تو یہ سمجھا جاتا تھا کہ خدا کا یہی ارادہ تھا۔ کہ وہ نجات نہ پائیں۔ چنانچہ یسعیاہ نبی کہتا ہے۔ "خدا نے مجھے فرمایا کہ جا اور ان لوگوں سے کہہ کہ تم سنا کرو اور سمجھو نہیں۔ تم دیکھا کرو پر بوجھو نہیں تو ان لوگوں کے دلوں کو چربا دے اور ان کے کانوں کو بھاری کر اور ان کی آنکھیں بند کر دے تا نہ ہو کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور اپنے کانوں سے سنیں اور اپنے دلوں سے سمجھ لیں اور باز آئیں

اور شفا پائیں (۱۰-۹ : ۶)۔ نیز دیکھو ۲ - تواریخ - ۱۱ : ۴ ۴

بعینہ یہی سوال مقدس پولوس اور دیگر یہودی مسیحوں کے سامنے تھا۔ اُن کی سمجھ میں یہ نہیں آتا تھا کہ جب مسیح اہلِ یہود کے پاس آیا تو اس کے اپنوں نے اُسے کیوں قبول نہ کیا۔ پس اُنہوں نے بھی اہلِ یہود کے انبیا کے حل کو تسلیم کر لیا کہ خدا کی مرضی یہ نہیں تھی کہ وہ نجات سے بہرہ ور ہوں (اعمال ۲۸: ۲۵ - ۲۸۔ یوحنا ۱۲: ۳۸ - ۴۰ وغیرہ)

لیکن اناجیلِ اربعہ کا سطحی مطالعہ بھی یہ ظاہر کر دیتا ہے کہ خداوند مسیح اس قسم کے خیال رکھنے والے انسان نہ تھے۔ آپ جانتے تھے کہ آپ کُل بنی نوع انسان کو نجات دینے کے لیے اس دُنیا میں آئے ہیں۔ آپ کو یہ زبردست احساس تھا کہ خدا کی یہ مرضی نہیں کہ ادنےٰ سے ادنےٰ انسان بھی اس نجات سے بے بہرہ رہے۔ (یوحنا ۱۲/۴۶ - ۳/۱۶ - وغیرہ)

لیکن اس کے برعکس زیرِ بحث آیات (متی ۱۳/۱۳ مرقس ۴/۱۲ - لوقا ۸/۱۰) سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت کلمتہ اللہ کی تمثیلوں میں تعلیم دینے کی غرض ہی یہی تھی کہ لوگ آپ کے اشارات کو نہ سمجھیں اور تائب ہو کر معافی نہ پائیں۔ چنانچہ لفظ "تاکہ" (مرقس ۴/۱۲ - لوقا ۸/۱۰) ظاہر کرتا ہے کہ تمثیلوں کا مقصد یہ تھا کہ جو باہر ہیں وہ دیکھتے ہوئے دیکھیں اور معلوم نہ کریں۔ وہ سُنتے ہوئے سُنیں لیکن وہ نہ سمجھیں تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ رجوع لا کر معافی پائیں۔" مقدس متی لفظ "تاکہ" کی بجائے "کہ" استعمال کرتا ہے (۱۳/۱۳) اور بظاہر یہی معلوم دیتا ہے کہ خداوند کا اصلی مقصد یہ تھا کہ بارہ رسولوں کے سوا آپ کی تمثیلوں کو سمجھ کر کوئی توبہ نہ کرے۔

ایک اور بات قابلِ غور ہے۔ مقدس متی کے بیان کے مطابق حضرت

کلمتہ اللہ خود یسعیاہ کی مذکورہ بالا پیشین گوئی کا اقتباس فرماتے ہیں جس کسی نے انجیلِ اوّل کا سطحی مطالعہ بھی کیا ہے وہ جانتا ہے کہ مقدس متی اپنی انجیل میں بار بار انبیاء یہود کی پیشین گوئیوں کے پورا ہونے کا ذکر کرتے ہیں اور ان کا اقتباس کرنے سے پہلے ہر موقعہ پر لکھتے ہیں "کیونکہ جو نبی کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو"۔ "کیونکہ نبی کی معرفت یوں لکھا گیا ہے"۔ (۱/۲۲ - ۲/۵ و ۱۵ - ۴/۱۴ - ۱۳/۳۵ وغیرہ) لیکن اس مقام میں انجیل نویس یہ فارمولا استعمال نہیں کرتا کیونکہ یہاں کلمتہ اللہ خود فرماتے ہیں۔ "ان کے حق میں یسعیاہ کی پیشین گوئی پوری ہوئی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور میں ان کو شفا بخشوں گا"۔ اگر ناظرین یسعیاہ نبی کی کتاب کے الفاظ (۶: ۹ - ۱۰) اور مسیحی عالمین کے الفاظ (۱۳: ۱۴ - ۱۵) کا بغور مقابلہ کریں تو دونوں عبارتوں میں حیرت انگیز فرق پائیں گے جو ہم پر فوراً ظاہر کر دیتا ہے۔ کہ خداوند کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آئی تھی کہ یسعیاہ نبی کے الفاظ سے یہ ثابت کریں کہ تمثیلوں میں تعلیم دینے کی غرض یہ تھی کہ لوگ تائب ہو کر رجوع نہ لائیں۔

اس اختلاف قرأت کی کیا وجہ ہے؟ پروفیسر مین سٹین (T. W. Manson)[1] کہتے ہیں کہ یہ اقتباس یسعیاہ کی کتاب کے اصل عبرانی متن یا اس کے یونانی سپٹواجنٹ ترجمہ سے نہیں لیا گیا بلکہ تارگم (یا تراجم یعنی یہودی توضیح) سے کیا گیا ہے۔ تارگم کے اس مقام (یسعیاہ ۶/۹) میں لکھا ہے۔ "اور خداوند نے مجھے فرمایا۔ جا اور ان لوگوں سے کہہ جو دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتے اور سنتے ہوئے نہیں سُنتے اور نہیں سمجھتے۔ ایسا نہ ہو کہ آنکھوں

1- T.W. Manson, *Teaching of Jesus* P.76 (Cambridge 1931)

سے معلوم کریں اور دل سے سمجھیں اور رجوع لائیں اور میں اُن کو شفا بخشوں" اگر پروفیسر مذکور کا یہ خیال صحیح ہے (اور ہم کو اس کے قبول کرنے میں مطلق تامل نہیں) تو یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ حضرت کلمتہ اللہ کے خیال مبارک کے مطابق یسعیاہ کے تاریکی الفاظ کے مصداق وہ لوگ ہیں جو دیدہ دانستہ آنکھیں اور کان بند کر لیتے ہیں تاکہ حق کا کلمہ ان کے دلوں میں جڑ پکڑ کر ان کو توبہ پر مجبور نہ کر دے۔ خدا کا تو یہ مقصد تھا کہ وہ نجات پائیں لیکن ان کے اپنے سرکش دل ان کو خدا کی طرف رجوع کرنے نہیں دیتے۔ یہ تشریح سیدھی سادی ہے اور اس کو قبول کرنے سے کوئی معمہ حل طلب نہیں رہتا۔

ناظرین نے یہ نوٹ کیا ہوگا کہ انجیل اردو ترجمہ کے الفاظ "کہ اور تاکہ" کی بجائے مذکورہ بالا ترجمہ میں لفظ "جو" استعمال کیا گیا ہے۔ جس نے ہر مشکل کو رفع کر دیا ہے۔ خداوند مسیح کی مادری زبان ارامی تھی۔ جس میں آپ تعلیم دیا کرتے تھے۔ آپ نے ارامی زبان کا ضمیر موصولہ "دِ" کا استعمال فرمایا تھا جس کا مفہوم یونانی زبان میں تین الفاظ سے ادا ہوتا ہے۔ "جو۔ کہ۔ تاکہ"۔ جس طرح فدی ضمیر موصولہ "کہ" کا مفہوم اردو زبان میں "جو۔ کہ۔ تاکہ" سے ادا ہوتا ہے جب اناجیل اربعہ کے ارامی متن کا یونانی ترجمہ کیا گیا تو انجیل اول کے مترجم نے لفظ "دِ" کے لئے لفظ "کہ" استعمال کیا اور انجیل دوم اور سوم کے مترجمین نے لفظ "تاکہ" استعمال کیا۔ حالانکہ اس مقام میں لفظ "جو" صحیح ترجمہ تھا۔ یونانی متن کا یہ غلط ترجمہ اناجیل اربعہ کے متعدد مقامات میں غلط فہمیاں پیدا کر دیتا ہے۔ انشاءاللہ ہم آئندہ آیات میں بھی یہ واضح کر دیں گے کہ ارامی ضمیر موصولہ "دِ" کا غلط ترجمہ بہت دقتوں اور مشکلوں کا ذمہ وار ہے۔

پس آیات زیر بحث کا صحیح اردو ترجمہ یہ ہے۔ "تم کو خدا کی بادشاہی

کا بھید دیا گیا ہے۔ مگر ان کے لئے سب باتیں تمثیلوں میں ہوتی ہیں جو دیکھتے ہوئے معلوم نہیں کرتے اور سنتے ہوئے نہیں سمجھتے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ رجوع لائیں اور معافی پائیں"۔ مرقس ۴/۱۲

Black Aramaic Approach pp. 153-6

متی ۵/۴۸ - "تم کامل ہو جیسا تمہارا آسمانی باپ کامل ہے"

صدیوں سے یہ آیت مفسروں کے لئے دردِ سر کا موجب رہی ہے بعض اس سے یہ مطلب اخذ کرتے ہیں۔ کہ مسیحی کا یہ فرض ہے کہ اپنے آپ کو اس درجہ تک کامل کرے کہ الٰہی فضل اس میں کمال تک پہنچ جائے جس کا نتیجہ ایک ایسی شخصیت ہو جائے جس سے زیادہ کامل زندگی تصور میں بھی نہیں آسکتی۔ چنانچہ ریاضت کش رہبان کہتے تھے کہ اس آیہ کا مطلب یہ ہے کہ شخصی پاکیزگی کی انتہائی منزل حاصل ہو جائے جس میں خدا کی وہ صورت ظاہر ہو جائے جس پر باغِ عدن میں انسان خلق ہونے کے وقت پیدا کیا گیا تھا۔ چنانچہ مغربی ممالک کے قرونِ وسطیٰ کے متکلمین فلسفیانہ باریکیوں کو کام میں لا کر کہتے تھے کہ آدم کی معصیت اور نسلِ انسانی کے ہبوط کے وقت خدا کی صورت (جس پر انسان پیدا کیا گیا تھا) نہیں مٹی تھی گو مشابہت کا خاتمہ ہو گیا تھا۔

دیگر مفسرین کہتے تھے کہ اس آیہ شریفہ کا یہ مطلب ہے کہ ہم مسیح کی مانند ہو جائیں جو خدا کی صورت پر تھا اور خدا تھا۔ مسیح کامل انسان تھے اور ہم پر فرض ہے کہ "ہم کامل انسان بنیں اور مسیح کے قد کے پورے اندازے تک پہنچ جائیں" (افسی ۴/۱۳ - کلسی ۱/۲۸) اس کے خلاف دیگر مفسر کہتے ہیں کہ یہ امر انسانی فطرت

1. Thomas Aquinas Summa Theol 1 art 9

اور نسل انسانی کی تاریخ کے خلاف ہے ۔ اس تصوّر کا کہ انسان خدا کے کمال کو حاصل کر سکتا ہے) کتابِ مقدّس میں نام و نشان بھی نہیں تھا ۔ گو یہ غیر مسیحی بُت پرست فلاسفروں کا مطمحِ نظر ضرور تھا پس اس حکم سے مراد یہ ہے کہ انسان ضعیف البنیان پر ظاہر ہو جائے کہ وہ خود اپنی کوششوں سے یہ منزل نہیں حاصل کر سکتا ۔ اور کہ صرف وہی انسان نجات حاصل کرتے ہیں جن کو یا تو خدا اپنے ازلی ارادے کے مطابق پہلے سے چُن لیتا ہے یا جن کو فضل کی معموری حاصل ہو جاتی ہے ۔ بہر حال انسانی اعمال بیکار ہیں اور انسانی کوشش بیہودہ ہے ۔ لہٰذا دونوں کا اس معاملہ میں دخل نہیں ۔ یہ بحث مقدس آگسٹین سے دورِ حاضرہ تک برابر جاری ہے

(۲)

بعض علماء ان الجھنوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے اس آیت میں لفظ "کامل" کی جگہ "رحیم" ترجمہ کر کے کہتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے "تم رحیم ہو جیسا تمہارا آسمانی باپ رحیم ہے ۔" لیکن مشہور جرمن عالم اور زبان دان ڈالمن کہتا ہے کہ یہ ترجمہ صرف کوئی ناواقف شخص ہی کر سکتا ہے[1]۔

(۳)

یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا کی ذات ایک کامل ہستی ہے اور جن معنوں میں وجودِ مطلق کامل ہے ، اُن معنوں میں کوئی انسان ضعیف البنیان کامل نہیں ہو سکتا ۔ کیوں کہ جیسا مقدّس یعقوب فرماتا ہے ۔ "نہ تو خدا بدی سے آزمایا جا سکتا ہے ۔ اور نہ وہ کسی کو آزماتا ہے ۔" (۱۳/۱) لیکن انسان آزمایا جاتا ہے اور آزمائش پر غالب آ کر ہی کامل ہوتا ہے

1. Dalman words of Jesus P-66.

چنانچہ خداوند مسیح کی کاملیت کا بھی یہی راز تھا ۔ (عبر ۹/۵ متی ۱۷/۳) اور خود خداوند مسیح کی زبانِ صداقت بیان نے اس فرق کو تسلیم فرمایا ہے ۔ (مرقس ۱۸/۱۰) بڑی سے بڑی بات جو انسان کر سکتا ہے وہ یہ ہے کہ "بے عیب اور بھولے ہو کر خدا کا بے نقص فرزند" بنا رہے (فلپی ۱۵/۲) ذاتِ الٰہی کی طرح کامل ہونا انسان کے لئے ناممکن ہے ۔ اندریں حال خداوند مسیح کے اس فرمان کا کیا مطلب ہے ۔ جو اس آیہ شریفہ میں موجود ہے ؟

علاوہ ازیں سیاق و سباق کی آیات کا اس آیہ شریفہ سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا ۔ ان آیات میں کلمتہ اللہ فرماتے ہیں ۔ "اپنے دشمنوں سے محبت رکھو ۔ اپنے ستانے والوں کے لئے دعا کرو تا کہ تم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے بیٹے ٹھہرو کیونکہ وہ اپنے سورج کو بدوں اور نیکوں دونوں پر چمکاتا ہے اور راستبازوں اور ناراستوں دونوں پر مینہ برساتا ہے ۔" پھر عین اس کے بعد نتیجہ کے طور پر فرماتے ہیں ۔ "پس چاہیئے کہ تم کامل ہو جیسا تمہارا آسمانی باپ کامل ہے ۔" لیکن پہلی آیات میں اخلاقی کاملیت کا ذکر نہیں بلکہ الٰہی محبت کے سب پر حاوی ہونے کا ذکر ہے ۔ اور آیہ زیرِ بحث میں لفظ "پس" ظاہر کرتا ہے کہ اس آیت میں پیشتر کی آیات کا نتیجہ موجود ہے جس میں لکھا ہے کہ خدا کی اخلاقی کاملیت کے کمال کی سی کاملیت حاصل کرو ۔

(۴)

ڈاکٹر ٹوری کا ترجمہ اس قسم کی تمام الجھنوں اور مشکلوں کو حل کر دیتا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہاں مترجم نے اصل ارامی لفظ پر غلط اعراب لگا کر پڑھے

جس کی وجہ سے یونانی متن کا غلط ترجمہ وجود میں آگیا ہے۔ اس عالم کا خیال ہے کہ اصل ارامی الفاظ تھے "صوجمرن" جس کے معنی ہیں کشادہ۔ وسیع محیط۔ جامع۔ لیکن یونانی مترجم اس کو "جمسر" پڑھ گیا جس کے معنی "کامل" کے ہیں۔

پس ڈاکٹر ٹوری کے مطابق اس آیہ شریفہ کا صحیح ترجمہ (جو سباق و سیاق کے مطابق بھی ہے)، یہ ہے:-

جس طرح تمہارے آسمانی باپ (کی محبت) سب پر حاوی ہے۔ چاہیئے کہ تمہاری (محبت) بھی جامع ہو یعنی جسطرح خدا باپ تمام بدوں اور نیکوں۔ ناراستوں اور راستبازوں سے محبت رکھتا ہے۔ تم بھی اپنی محبت کے دائرہ میں سب کو شامل کرلو۔ اور کسی کو اس دائرہ سے مستثنےٰ نہ کرو۔ یہ ترجمہ سیدھا ہے۔ اور سیاق و سباق کے عین مطابق ہے۔ اور سب مشکلوں کو حل کردیتا ہے اور اس سے پہلی آیات کا نتیجہ بھی ظاہر کردیتا ہے۔

(۱) متی ۸/۹ و لوقا ۷/۸ - اس آیت میں صوبہ دار خداوند یسوع کو کہتا ہے۔ "کیونکہ میں بھی دوسرے کے اختیار میں ہوں اور سپاہی میرے ماتحت ہیں۔" بادی النظر میں اس قول کے پہلے حصے میں صوبیدار گویا کہتا ہے۔ "اے خداوند۔ میں بھی تیری طرح دوسرے کے اختیار میں ہوں۔" لیکن درحقیقت یہ اس کا مطلب نہیں ہے۔ ڈاکٹر ٹوری کہتا ہے کہ اصل ارامی الفاظ کے غلط یونانی ترجمہ کا یہ نتیجہ ہے۔ اس حصہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔ "کیونکہ میں بھی دوسروں پر اختیار رکھتا ہوں اور سپاہی

میرے ماتحت ہیں۔" اس ترجمہ میں کسی طرح کی دقت پیش نہیں آتی۔

متی ۱۰/۲ -اور بارہ رسولوں کے نام یہ ہیں۔ پہلا پطرس

اس ترجمہ میں یہ دقت پیش آتی ہے کہ مقدس پطرس "پہلا" رسول نہیں تھا جو خداوند کے پیچھے ہولیا۔ نہ آپ مقدس اندریاس سے پہلے خداوند کے حلقہ بگوش ہوئے تھے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ یہاں لفظ "پہلا" سے مراد کسی قسم کا تفوق یا مقدم ہونا نہیں ہے (دیکھو مرقس ۱/۱۶ متی ۴/۱۸ لوقا ۵/۲۲)۔ ڈاکٹر ٹوری کہتے ہیں کہ ارامی زبان میں لفظ پہلے "الفاظ" بارہ "اور" رسول "کے درمیان تھا۔ یعنی عبارت یہ تھی "اور بارہ پہلے رسولوں کے نام یہ ہیں۔ پطرس۔۔۔" لفظ "پہلے" کے لئے ارامی لفظ "قدیم" تھا نہ کہ "مقدم"۔ جب مقدس متی اس انجیل کو لکھ رہے تھے اس زمانہ میں مقدس متیاہ کا نام بارہ رسولوں میں شامل تھا۔ (اعمال ۱/۱۵-۲۶) مقدس متی کا منشا قدیم رسولوں کے ناموں کا بتلانا تھا۔ پس آیت ندا کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔ "اور پہلے بارہ رسولوں کے نام یہ ہیں۔"

متی ۱۰/۴، مرقس ۳/۱۹، لوقا ۶/۱۶ - بارہ شاگردوں کی فہرست میں آخری نام ہے یہوداہ اسکریوتی جس نے اُسے پکڑوا بھی دیا۔

بعض مفسر "اسکریوتی" سے مراد "قریوت" کا رہنے والا لیتے ہیں۔ (دیکھو یرمیاہ ۴۸: ۲۴ وغیرہ) اگر یہ درست ہے تو بارہ رسولوں میں سے صرف یہوداہ ہی اکیلا شخص تھا جو یہودیہ کا رہنے والا تھا کیونکہ باقی تمام شاگرد گلیلی تھے۔ دیگر مفسروں کا یہ خیال ہے کہ "اسکریوتی" کا مطلب یہ ہے کہ وہ سیکری (Sicarius [illegible]) یعنی خنجر چلانے والا تھا۔ یہ گروہ رومی سلطنت کو درہم برہم کرنے کے لئے تشدد کے طریقوں کا حامی تھا۔ اس کے

ممبران یہودیوں کو قتل کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے جو اس سلطنت کے وفادار تھے۔

ڈاکٹر نوری کہتے ہیں کہ لفظ "اسکریوتی" ایک دوغلا لفظ ہے۔ جس کے معنی "غدار" ہیں۔ ارمی لفظ "شقار" کے معنی غدار اور دغاباز کے ہیں۔ عربی لفظ "شقاری" غالباً اسی سے مشتق ہے۔ پس اس آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے "یہوداہ غدار جس نے اسے پکڑوا بھی دیا" اور اناجیل اربعہ میں جہاں کہیں "یہوداہ اسکریوتی" لکھا ہے وہاں "یہوداہ غدار" پڑھنا چاہیئے۔

مرقس $\frac{9}{50-49}$ "کیونکہ ہر شخص آگ سے نمکین کیا جائیگا"۔ الخ

مسیحی مفسر شروع ہی سے اس آیہ شریفہ کے الفاظ کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔ اس آیت کا کیا مطلب ہے؟ مرحوم مولوی ثناء اللہ نے ایک دفعہ یہ آیت قرآنی تعلیم کی حمایت میں پیش کی تھی کہ ہر شخص کو جہنم میں داخل ہونا پڑے گا۔ قرآنی الفاظ یہ ہیں۔ اِن مِنکُم اِلّا وارِدُھا کان علیٰ ربک حتماً مقضیاً یعنی ہر فرد بشر ایک دفعہ ضرور دوزخ میں جائیگا۔ خدا پر فرض ہے کہ سب کو ایک دفعہ ضرور دوزخ میں پہنچائے۔ لیکن اس قسم کے عقیدہ کو انجیلِ جلیل اور بالخصوص منجیِ جہان کے کلماتِ طیبات سے کسی قسم کا تعلق نہیں۔

بعض مفسرین کی تاویلیں نہایت مضحکہ خیز ہیں جو اُن کے اپنے ذاتی اور شخصی خیالات کا آئینہ ہیں۔ چنانچہ ابتدائی صدیوں میں اس آیت کو سمجھنے کے لئے احبار $\frac{2}{13}$ کی طرف رجوع کیا گیا۔ جہاں لکھا ہے کہ "تو اپنی نذر کی قربانی کے ہر چڑھاوے کو نمکین بنانا اور اپنی کسی نذر کی قربانی کو اپنے خُدا کے عہد کے نمک بغیر نہ رہنے دینا۔ اپنے سب چڑھاووں کے ساتھ نمک بھی چڑھانا"۔ یہی وجہ

ہے کہ کسی ابتدائی مفسر کی تاویل کو (جو اس نے اپنے نسخہ کے حاشیہ میں لکھی تھی) نسخہ کے کاتب نے متن میں نقل کر لی اور یوں اس نے بعض نسخوں میں جگہ حاصل کر لی اور اس آیت کے بعد یہ الفاظ ایزاد ہو گئے "اور ہر ایک قربانی نمک سے نمکین کی جائے گی"۔ جو زائد ہونے کی وجہ سے اب اصل متن سے خارج ہیں۔

پادری گولڈ (Gould) اپنی تفسیر میں کہتے ہیں[1] "تمام لوگ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ آیت نئے عہد نامے کی اُن آیتوں میں سے ہے جو نہایت مشکل ہیں۔ اس آیت میں مشکل کی اصل جڑ لفظ "آگ" ہے۔ جو ۴۸ آیت میں اور اس آیت میں بھی موجود ہے۔ غبی سے غبی شخص پر بھی ظاہر ہے کہ کوئی انسان آگ سے نمکین نہیں کیا جا سکتا اور نہ وہ نمک سے آگ کی بھٹی میں ڈالا جا سکتا ہے۔

آیت ۴۸ میں عہدِ عتیق سے یسعیاہ نبی کا اقتباس کیا گیا ہے ($\frac{66}{24}$) ۔ اس مقام میں نبی وادیٔ حنوم کا ذکر کرتا ہے۔ جو یروشلیم کے جنوب مغرب میں واقع تھی، جہاں کسی زمانہ میں برگشتہ اسرائیل مولک دیوتا کے سامنے اپنے بچوں کی قربانی کیا کرتے تھے۔ یرمیاہ نبی اس جگہ کو لعنتی قرار دیتا ہے ($\frac{7}{31}$) یسعیاہ نبی وادیٔ حنوم یا جائے حنوم (جو بگڑ کر "جہنم" ہو گیا ہے) کی نسبت کہتا ہے کہ "جائے حنوم" یا "جہنم" میں خُدا کے دشمنوں کی لاشیں ہمیشہ کے لئے جلتی رہیں گی۔

آیت ۴۸ میں الفاظ "ان کا کیڑا نہیں مرتا اور آگ نہیں بجھتی"۔ خداوند مسیح کے اپنے مُنہ کے الفاظ نہیں بلکہ یسعیاہ $\frac{66}{24}$ کا اقتباس ہیں جو یونانی انجیل

---

[1] International Critical Commentary p.160.

کے مترجم کے سامنے عبرانی میں لکھے تھے۔ لفظ "آگ" کی عبرانی "ہائش" ہے جو آیت ۴۸ میں ہے۔ جب یونانی مترجم آیت ۴۹ کا ترجمہ کرنے لگا تو وہاں ارامی لفظ "ہائش" تھا۔ لیکن اس نے یہ سمجھ کر کہ یہاں بھی وہی عبرانی لفظ "ہائش" ہے۔ اُس کا ترجمہ "آگ" کردیا۔ کیونکہ اُس نے مشابہ حروف تھا اور ان میں تمیز نہ کی۔ مترجم کی اس غلطی کی وجہ سے اس آیت کا یونانی ترجمہ غلط ہوگیا کیونکہ عبرانی لفظ "ہائش" کے معنی "آگ" ہے لیکن ارامی لفظ "ہائش" کے معنی "بگڑنا" ہے۔

ایک اور امر قابلِ غور ہے۔ اس آیت کے شروع میں ارامی الفاظ "کُل ہائش" تھے جن کا مطلب یہ ہے کہ "کُل بگڑی ہوئی چیزیں نمکین" چونکہ مترجم نے جس کو "کُل ہائش" پڑھا لہٰذا اس کا ترجمہ "کُل انسانوں کو آگ سے" ہوگیا۔

پس ڈاکٹر ٹوری کے مطابق آیت ۴۹ کا صحیح ترجمہ یہ ہے :-

"ہر بگڑی ہوئی چیز نمک سے نمکین کی جاتی ہے"۔

اس ترجمہ کے معنی نہایت واضح اور صاف ہیں اور کسی تاویل کی ضرورت نہیں رہتی۔

مرقس ۱۶/۲ "وہ (مریم مگدلینی وغیرہ) ہفتے کے پہلے دن بہت سویرے جب سورج نکلا ہی تھا قبر پہ آئیں"۔

باقی تینوں انجیلوں میں لکھا ہے کہ یہ عورتیں "پو پھٹتے وقت" (متی ۲۸/۱) "صبح سویرے" (لوقا ۲۴/۱) "ایسے تڑکے کہ ابھی اندھیرا ہی تھا" (یوحنا ۲۰/۱) قبر پر آئیں لیکن مقدس مرقس میں ہے کہ وہ "بہت سویرے جب سورج نکلا ہی تھا قبر پر آئیں"۔ قیاس یہی چاہتا ہے کہ وہ صبح تڑکے پو پھٹتے وقت قبر پر آئی ہونگی لیکن اس وقت میں اور "سورج کے نکلنے" کے وقت میں بڑا فرق ہے۔ پو پھٹتے وقت ایسے تڑکے کہ ابھی اندھیرا ہی ہو سورج نہیں نکلا کرتا

پروفیسر ٹوری کہتے ہیں کہ اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ مقدس مرقس کی انجیل کے مترجم نے ارامی زبان کے حرفِ عطف واؤ کا لفظی ترجمہ کرتے وقت اس کو ایسی جگہ لکھ دیا جو موزوں نہ تھی۔ جس کی وجہ سے فقرے کی ساخت میں الفاظ "بہت سویرے" کے بعد "جب سورج نکلا" لکھا گیا پروفیسر مذکور کے مطابق ان آیات کا اصلی ترجمہ یہ ہے:-

"وہ ہفتے کے پہلے دن بہت سویرے قبر پر آئیں۔ جب سورج نکلا تو وہ آپس میں کہتی تھیں کہ ہمارے لئے پتھر کو قبر کے منہ پر سے کون لڑھکائیگا؟ انہوں نے نگاہ کی تو دیکھا کہ پتھر لڑھکا ہوا ہے اور وہ بہت ہی بڑا تھا"۔

یوحنا ۲۰/۱۷۔ یسوع نے مریم سے کہا۔ مجھے نہ چھو کیونکہ میں اب تک باپ کے پاس اوپر نہیں گیا۔ لیکن میرے بھائیوں کے پاس جاکر اُن سے کہہ ...... الخ

اس موجودہ ترجمہ کے مطابق خداوند کو چھونے کی ممانعت کا سبب سمجھ میں نہیں آتا اور ان الفاظ کو سمجھنے کے لئے مختلف مفسر مختلف تاویلیں کرتے ہیں۔

پروفیسر ٹوری کہتے ہیں کہ اس مشکل کی وجہ بھی ارامی کا حرفِ عطف واؤ ہے جو الفاظ "میرے بھائیوں سے جاکر کہہ" سے پہلے ہے اور جس کا اردو میں ترجمہ "لیکن" کیا گیا ہے۔ یونانی مترجم انجیل نے حرفِ عطف واؤ کا لفظی ترجمہ "اور" کرکے اس کو یونانی عبارت کے ایسے مقام میں لکھا ہے جس سے تمام آیت کا مطلب خبط ہوگیا ہے۔

علاوہ ازیں اس آیہ شریفہ میں اصل ارامی الفاظ کے دو معنی ہوسکتے ہیں "میں اب تک باپ کے پاس اوپر نہیں گیا" جو موجودہ یونانی متن اور اس کے

اُردو ترجمہ میں ہے۔ لیکن انہی ارامی الفاظ کا یہ ترجمہ بھی ہو سکتا ہے۔ "اس سے پہلے کہ میں باپ کے پاس اُوپر جاؤں" پہلا اور موجودہ ترجمہ بے معنی ہے لیکن دوسرا ترجمہ اختیار کرنے سے خداوند مسیح کے ارشاد کا مطلب نہایت واضح ہو جاتا ہے پس آیات ۱۶-۱۸ کا پروفیسر ٹوری اور دیگر علما کے مطابق ترجمہ حسب ذیل ہے:- "یسوع نے اس سے کہا۔ مریم۔ وہ اسے پہچان کر اس سے عبرانی زبان میں بولی ربونی یعنی اے استاد یسوع نے اس سے کہا۔ مجھے نہ چھو۔ لیکن اس سے پہلے کہ میں باپ کے پاس اوپر جاؤں تو میرے بھائیوں کے پاس جا کر ان سے کہہ کہ میں اپنے باپ اور تمہارے باپ کے اور اپنے خدا اور تمہارے خدا کے پاس اوپر جاتا ہوں۔"

متی ۶/۱۳ و ۲۶/۴۱۔ مرقس ۱۴/۳۸۔ لوقا ۱۱/۴۔ ۲۲/۴۰۔ ۲۲/۴۶۔

"آزمائش میں نہ پڑنا"

مذکورہ بالا چند مقامات میں لفظ "پڑنا" کی بجائے لفظ "گرنا" اصل ارامی لفظ کو بہتر طور پر ادا کرتا ہے۔ اُردو زبان کے مختلف ترجموں میں دعائے ربانی کے اس فقرے میں لفظ "لا" اور "ڈالنا" استعمال کئے گئے ہیں۔ لیکن ارامی لفظ کے معنی ہیں "مغلوب ہو جانا یا گر جانا"[1] پس یہ دو ترجمے ارامی مفہوم کو بطرز احسن ادا نہیں کرتے۔ "ہم کو امتحان میں نہ ڈال" (ترجمہ سرام پور ۱۸۲۹ء) "ہمیں آزمائش میں نہ ڈال" (ترجمہ مرزا پور ۱۸۷۰ء) "ہمیں آزمائش میں نہ لا" (موجودہ ترجمہ) "ہمیں آزمائش میں نہ پڑنے دے" (ترجمہ کتاب دعائے عمیمہ ۱۹۰۰ء) وغیرہ کی بجائے صحیح ترجمہ یہ ہے۔ "ہم کو آزمائش میں نہ گرنے دے" یا "ہم کو امتحان

1. BLACK, Aramaic Approach p.p. 189-190

کے وقت فیل نہ ہونے دے"۔ بدقسمتی سے عام طور پر الفاظ "امتحان" اور "فیل" کا تعلق طالب علموں کی زندگی کے مدارج کے ساتھ ہو گیا ہے۔ ورنہ متی ۲۶/۴۱۔ مرقس ۱۴/۳۸۔ لوقا ۲۲/۴۰ میں لفظ "امتحان" موزوں ترین لفظ ہے اور ان مقامات میں صحیح ترجمہ یہ ہوگا۔ "جاگو اور دعا مانگو تا کہ (بوقتِ امتحان (جو قریب ہے) تم گر نہ جاؤ"۔ چنانچہ مرزا پور کا ترجمہ جو دعائے ربانی کے فقرہ میں لفظ "آزمائش" استعمال کرتا ہے۔ اس مقام پر لفظ "امتحان" استعمال کرتا ہے۔

لوقا ۱/۳۹۔ انہی دنوں مریم اٹھی اور جلدی سے پہاڑی ملک میں یہوداہ کو گئی۔

اس ترجمہ میں دقت یہ ہے کہ یہوداہ شہر نہیں تھا۔ بلکہ ایک صوبے کا نام تھا۔ پس اُردو کے موجودہ ترجمہ کرنے والوں نے انگریزی ریوائزڈ ترجمہ کی طرح اس مقام پر "یہوداہ کے ایک شہر" لکھ دیا ہے۔ جو اصل یونانی کا صحیح ترجمہ نہیں ہے۔

پروفیسر ٹوری نے زبردست دلائل سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ "عبرانی اور یہودی تصنیفات میں ابتدا سے لے کر مسیح سے چند صدیاں بعد تک لفظ "مدینہ" سے مراد "صوبہ" لی جاتی تھی۔ لیکن جب غیر یہود (اس لفظ "مدینہ" کو استعمال کرتے تھے۔ تو اس سے مراد "شہر" لیتے تھے۔[1] چونکہ مقدس لوقا غیر اقوام سے مشرف بہ مسیحیت ہوئے تھے لہٰذا انہوں نے اس مقام میں عبرانی لفظ "مدینہ" کا ترجمہ صوبہ کی بجائے غیر یہودی محاورہ کے مطابق شہر کر دیا۔ لیکن مقدس لوقا کا اصل مطلب

1. Harward Theological Review. Vol. 17(1924) PP. 83-89.

شہر نہیں تھا بلکہ صوبہ تھا (دیکھو لوقا ۲ : ۴) پس اس آیہ شریفہ کا صحیح ترجمہ یہ ہُوا: "اُنہی دِنوں میں مریم اُٹھی اور جلدی سے پہاڑی مُلک میں یہودیہ کے صُوبہ کو گئی۔"

لوقا ۸/۳۹ "وہ روانہ ہو کر تمام شہر میں چرچا کرنے لگا۔"

یہاں بھی مقدس لوقا نے عبرانی لفظ مدینہ کا ترجمہ غیر یہودی محاورہ کے مطابق "شہر" کر دیا ہے۔ لیکن یہودی محاورہ کے مطابق یہاں بھی لفظ صُوبہ چاہیے چنانچہ مقدس مرقس کے بیان میں بھی ہے۔ کہ اُس نے تمام ضلع دکپلس میں چرچا کر دیا تھا۔ (مرقس ۵/۲۰) پس ڈاکٹر توری کے مطابق اس آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے: "وہ روانہ ہو کر تمام صوبہ میں چرچا کرنے لگا۔"

لوقا ۲/۱ "اُن دِنوں میں ایسا ہُوا کہ قیصر اگسطس کی طرف سے یہ حکم جاری ہُوا کہ ساری دُنیا کے لوگوں کے نام لکھے جائیں۔"

اس مقام میں مفسروں کو یہ دقت پیش آتی ہے کہ جس یونانی لفظ کا اردو ترجمہ "دُنیا" کیا گیا ہے۔ اس کے معنی ہیں "تمام دُنیا جس میں انسان بستے ہیں" اور چونکہ اس قسم کی مردم شماری ناممکن تھی لہٰذا مفسر اس مردم شماری کو رومی سلطنت تک ہی محدود بتلاتے ہیں لیکن ساتھ ہی اس بات کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ رومی سلطنت کی اس مردم شماری کے حکم کا کسی دوسری جگہ پتہ نہیں چلتا[1]۔

پروفیسر توری کہتے ہیں کہ یہ دقت عبرانی لفظ "ارض" کے غلط یونانی ترجمہ

---

[1] plummer, St. Luke (International Critical Commentary p. 48

کی وجہ سے پیش آتی ہے۔ عبرانی لفظ "ارض" سے اہل یہود کی مُراد ہمیشہ ارض مقدس یعنی کنعان کے مُلک سے ہوتی تھی۔ لیکن غیر یہود اس یہودی محاورہ اور استعمال سے قدرتاً واقف نہ تھے پس مقدس لوقا جو غیر یہودی تھے اس کا لفظی ترجمہ "دُنیا" کرتے ہیں۔

یہی غلطی مقدس لوقا سے اعمال ۱۱/۲۸ میں سرزد ہوئی ہے جہاں لکھا ہے کہ "**تمام دُنیا میں بڑا کال پڑے گا**۔" حالانکہ یہاں بھی لفظ ارض سے مُراد صرف ارض مقدس ہے۔ کیونکہ خود اعمال کی کتاب ہی سے ظاہر ہے کہ اس کال کا انطاکیہ میں بھی وجود نہ تھا۔ چہ جائیکہ وہ "تمام دُنیا" پر حاوی ہو۔

پس اس آیہ شریفہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے "اِن دِنوں میں ایسا ہُوا کہ قیصر اگسطس کی طرف سے یہ حکم جاری ہُوا۔ کہ ساری ارض (مقدس) کے لوگوں کے نام لکھے جائیں۔" اور اعمال کی کتاب کی پیش کردہ آیت کا صحیح ترجمہ ہوگا۔ کہ "ساری ارض (مقدس) میں بڑا کال پڑے گا"

لوقا ۶/۴۰ "شاگرد اپنے اُستاد سے بڑا نہیں بلکہ ہر ایک جب کامل ہُوا تو اپنے اُستاد جیسا ہوگا۔"

موجودہ ترجمہ میں الفاظ "جب کامل ہُوا" عبرانی لفظ "تقتین" کا ترجمہ ہیں۔ اہل یہود کے محاورہ میں یہ لفظ عموماً تب استعمال کیا جاتا تھا جب کہنے والے کا مطلب یہ ہوتا تھا۔ کہ فلاں بات موزوں۔ مناسب۔ درست یا ٹھیک ہے۔ مثلاً یہی لفظ پیدائش ۲/۱۸ ۱۶/۴۔ خروج ۹/۲۶ میں استعمال ہُوا ہے۔ جہاں اس کا اُردو ترجمہ "اچھا" "بھلا" "مناسب" کیا گیا ہے لیکن غیر یہود میں یہ لفظ ان معنوں میں رائج نہیں تھا اور وہ اس یہودی محاورہ

سے ناآشنا تھے ۔ پس مقدس لوقا نے (جو غیر یہود تھے) اس لفظ کے معنی غیر یہودی مروجہ معنوں میں استعمال کر کے اس لفظ کا ترجمہ "جب کامل ہُوا" کر دیا۔ پس اس آیہ شریفہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے :-

"شاگرد اپنے اُستاد سے بڑا نہیں ہوتا ۔ بلکہ ہر ایک کے لئے یہ مناسب ہے کہ وہ اپنے اُستاد جیسا ہو"۔

چنانچہ مقدس متی نے بھی اپنی انجیل میں اسی طرح ترجمہ کیا ہے "شاگرد اپنے اُستاد سے بڑا نہیں ہوتا۔ شاگرد کے لئے کافی ہے کہ اپنے اُستاد کی مانند ہو"۔ (۱۰/۲۵)

لوقا ۸/۲۷ :- "جب وہ کنارے پر اُترا تو اس شہر کا ایک مرد اُسے ملا جس میں بدروحیں تھیں"۔

جب ہم اس بیان کو انجیل مرقس (۵/۲) اور انجیل متی (۸/۲۸) میں پڑھتے ہیں تو یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ پاگل آدمی شہر سے نہیں آیا تھا ۔ بلکہ شہر کے باہر جو قبریں تھیں اُن میں سے آیا تھا ۔ خود مقدس لوقا کا بیان بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ وہ "قبروں میں رہا کرتا تھا"۔ یہ پاگل شخص خطرناک تھا جو ننگا پھرا کرتا تھا ۔ اور شہر کے کسی گھر میں نہیں رہتا تھا بلکہ وہ بیابانوں میں ننگا پھرا کرتا تھا ۔

اس آیت میں لفظ "شہر" ارامی لفظ "قریہ" کا غلط ترجمہ ہے ۔ قریہ کا کنعانی ارامی زبان میں ترجمہ نہ صرف شہر تھا ۔ بلکہ اس سے مراد گاؤں یعنی مزروعہ زمین ، مفصلات کھُلا میدان بھی تھے ۔ یہ لفظ صرف پہاڑی بنجر زمین کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا تھا بلکہ اس لفظ سے مراد وہ خطۂ زمین تھا جو کسی آبادی کے آس پاس ہو ۔ لیکن غیر کنعانی اس لفظ سے عموماً شہر

مُراد لیتے تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ مقدس لوقا نے اس جگہ اس لفظ کا غلط ترجمہ شہر کیا ہے ۔ پس اس آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے :-

"جب وہ کنارے پر اُترے تو کھلے میدان سے ایک مرد اسے ملا"

لوقا ۹/۱۰ :- "وہ ان کو الگ لیکر بیت صیدا نام ایک شہر کو گیا"۔

جب ہم اس مقام کا مقدس مرقس کے بیان (۶/۳۱) اور مقدس متی کے بیان (۱۴/۱۳) سے مقابلہ کرتے ہیں تو ہم پر عیاں ہو جاتا ہے کہ خداوند اپنے رسولوں کو کسی خاموش مقام میں لے جانا چاہتے تھے تاکہ وہ ذرا سے آرام کر لیں ۔ لیکن اس آیت میں لکھا ہے کہ آپ ان کو "بیت صیدا نام شہر" میں لے گئے ۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ دو آیتوں کے بعد اس جگہ کو باقی انجیل نویسوں کے بیان کے عین مطابق "ویران جگہ" کہا گیا ہے (آیت ۱۲) یہ تضاد مقدس لوقا کے ارامی لفظ "قریہ" کے غلط ترجمہ "شہر" کی وجہ سے ہے ۔ جیسا اُوپر ذکر کیا گیا ہے ۔ پس اس آیہ شریفہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے :-

"وہ ان کو الگ لیکر بیت صیدا کے مفصلات کو گیا"۔

ناظرین رسالۂ ہذا کو یاد ہوگا کہ ان آیات کے نئے ترجمے کی بنا ڈاکٹر لمسا صاحب کا یہ نظریہ ہے ۔ کہ اناجیل اربعہ پہلے پہل ارامی زبان میں لکھی گئی تھیں ۔ جس کو خداوند یسوع اور آپ کے ہمعصر یہود بولتے تھے اور بعد میں یہ اناجیل لفظ بلفظ ترجمہ کی گئیں ۔ اس ترجمہ کے دوران میں صرف چند مقامات میں ارامی زبان سے واقفیت تامہ حاصل نہ ہونے

کی وجہ سے مترجمین سے غلطیاں سرزد ہوگئیں۔ جن کی وجہ سے ان مقامات کا یونانی متن بعض اوقات ایک معمہ سا بن جاتا ہے۔ ڈاکٹر موصوف کا یہ دعوےٰ ہے کہ جب موجودہ یونانی متن کو ازسرنو ارامی زبان میں ترجمہ کیا جاتا ہے تو ہم پر فوراً واضح ہو جاتا ہے کہ اناجیل کے مترجموں نے غلطیاں کس طرح کیں۔ مثال کے طور پر ہم ذیل میں اور مقامات پیش کرتے ہیں۔ جن سے ڈاکٹر ٹوری کا یہ نظریہ ناظرین کو سمجھ میں آجائے گا۔

مرقس ۱۰/۱۲۔ اگر عورت اپنے خاوند کو چھوڑے اور دوسرے سے بیاہ کرے تو زنا کرتی ہے۔

اس ترجمہ میں یہ دقت پیش آتی ہے کہ ہندوؤں کی طرح موسوی شریعت کے مطابق عورت اپنے شوہر کو طلاق نہیں دے سکتی تھی، اگرچہ شوہر اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا تھا۔ پس یہ آیت بے معنی ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر ٹوری کہتا ہے کہ جن الفاظ کا ترجمہ "شوہر کو چھوڑے" کیا گیا ہے وہ ارامی میں "پیٹر ٹگبر" ہیں۔ لیکن چونکہ اردو کی طرح ارامی عبارت پر عموماً زیر و زبر نہیں دی جاتی تھی لہذا یونانی کے مترجم نے ان الفاظ کو "پیٹر ٹگبر" پڑھا لیکن اس کو یہاں ت پر زبر کی بجائے زیر پڑھنا چاہیئے تھا۔ اور اصل لفظ "پٹر ٹگبر" تھا جو فعل معروف نہیں بلکہ فعل مجہول تھا جس کے معنی ہوئے "شوہر کی چھوڑی ہوئی"۔

پس اصل ترجمہ یہ ہے۔ "اگر شوہر کی چھوڑی ہوئی عورت دوسرے سے بیاہ کرے تو زنا کرتی ہے"۔ بعینہٖ یہی بات لوقا مقدس کی انجیل میں لکھی ہے۔ (۱۶/۱۸) اور مقدس متی میں بھی خداوند یہی فرماتے ہیں (۵/۳۲) یونانی

نسخہ بیزی میں بھی "شوہر کی چھوڑی ہوئی عورت" لکھا ہے۔[۱]

لوقا ۱۰/۴۔ نہ بٹوا لے جاؤ۔ نہ جھولی نہ جوتیاں اور نہ راہ میں کسی کو سلام کرو۔ اس ترجمہ کے مطابق خداوند مسیح اپنے ستر شاگردوں کو نعوذ باللہ بدتمیزی کی بات سکھلاتے ہیں۔ ڈاکٹر ٹوری کہتے ہیں کہ یہاں ارامی لفظ "شلیم" تھا۔ جس کو یونانی مترجم "شلم" بمعنی سلام کرنا پڑھا گیا۔ لیکن لیکن اس لفظ کے ش پر زبر نہ تھی اور نہ ل مشدد تھا۔ بلکہ لفظ "شلیم" تھا۔ جس کے معنی ہیں "ساتھی ہونا" یا "ساتھ کرنا"۔ پس خداوند اپنے شاگردوں کو ہدایت فرماتے ہیں کہ نہ "بٹوا لے جاؤ۔ نہ جھولی نہ جوتیاں اور نہ راہ میں کسی کے ساتھی بنو۔"

جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ تم انجیل سنانے جارہے ہو۔ راہ میں اس بات کا انتظار نہ کرو کہ جب تم کو کوئی ساتھی ملے تب سفر کرو۔

لوقا ۱۱/۴۱۔ "اندر کی چیزیں خیرات کردو تو دیکھو سب کچھ تمہارے لئے پاک ہوگا۔"

انجیل سوم کا ہر مفسر اس آیہ شریفہ کو مشکل بتلاتا ہے۔ اور مختلف مفسرین اس کی مختلف تاویلیں کرتے ہیں۔ اور بمشکل دو مفسر ایسے ہوں گے جن کی تاویل ایک سی ہو۔

جب ہم مقدس لوقا کی انجیل (۱۱/۳۹-۴۱) کا مقدس متی کی انجیل ([illegible]) سے مقابلہ کرتے ہیں تو ہم پر فوراً ظاہر ہو جاتا ہے کہ مقدس متی ۲۳/۲۵ کے الفاظ اصل مفہوم کو پیش کرتے ہیں۔ انجیل اول کے الفاظ "پہلے پیالے اور رکابی کو اندر سے صاف کرتا کہ وہ اوپر سے بھی صاف

1. Montefiore, Synoptic Gospels. Vol. i. p 234

ہو جائیں" کے سامنے انجیل سوم کے الفاظ" اندر کی چیزیں خیرات کردو تو دیکھو سب کچھ تمہارے لئے پاک ہو گا" ایک عجیب اور پیچیدہ معمہ سا دکھائی دیتا ہے۔

جرمن نقاد ولہاسن کا خیال ہے کہ مقدس لوقا کی انجیل میں کاتب نے غلطی سے" دکو" بمعنی "پاک کرو" کی بجائے "زکو" بمعنی "خیرات کرو" لکھ لیا۔ اس نقاد کے مطابق اس آیہ میں لفظ "دکو" تھا اور اصل متن یہ تھا کہ" اندر کی چیزوں کو پاک کرو تو دیکھو تمہارے لئے سب پاک ہو گا۔"

ڈاکٹر ٹوری ولہاسن کے لفظ پر یہ اعتراض کرتا ہے کہ ارامی حروف میں مذکورہ بالا الفاظ کے پہلے حروف جن کو اردو میں د اور ز سے لکھا گیا ہے۔ آسانی سے خلط ملط نہیں ہو سکتے۔ لہذا کاتب یہ غلطی نہیں کر سکتا تھا۔ علاوہ بریں لفظ "زکو" ارامی لفظ نہیں بلکہ خالص عربی لفظ ہے جو مسیحان کی ارامی بولی میں نہیں تھا۔ اردو خوان ناظرین اس نکتہ کو سمجھ سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ لفظ" زکواۃ" سے بخوبی واقف ہیں۔ ٹوری صاحب کہتے ہیں کہ اصل ارامی متن میں لفظ صدقہ بمعنی "صداقت" استعمال ہوا تھا۔ جس کو یونانی کے مترجم نے صدقہ بمعنی "خیرات" پڑھ کر غلط ترجمہ یونانی میں کر دیا۔ اردو خوان ناظرین صداقت بمعنی سچائی اور صدقہ بمعنی خیرات سے واقف ہیں۔ اور اس نکتہ کو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں پس آیہ شریفہ کا ڈاکٹر ٹوری کے مطابق صحیح ترجمہ یہ ہے۔ "جو (تمہارے) اندر ہے اسکو درست کرو۔ تو سب کچھ تمہارے لئے پاک ہو گا۔"

لوقا ۱۱/۴۸۔" اُنہوں نے (تمہارے باپ دادا نے) اُن نبیوں کو قتل کیا تھا۔ اور تم اُن کی قبریں بناتے ہو۔"

اگر اس آیت کا مقدس متی کی انجیل (۲۳/۲۹-۳۱) سے مقابلہ کریں تو خداوند مسیح کے اس قول کا مطلب واضح ہو جاتا ہے۔ کہ تم نبیوں کی قبریں بناتے ہو۔ اور تمہارے باپ دادا نے اُن کو قتل کیا تھا"۔ (آیت ۴۷) پس ان کی قبریں بنانے سے تم اپنے باپ دادا کے طرز عمل سے بیزاری کا اظہار کرتے ہو۔ اور کہتے ہو۔" اگر ہم اپنے باپ دادا کے زمانہ میں ہوتے تو نبیوں کے خون میں اُن کے شریک نہ ہوتے۔" (متی ۲۳/۳۰) لیکن آیت ۴۸ میں لکھا ہے کہ" تم گواہ ہو۔ اور اپنے باپ دادا کے کاموں کو پسند کرتے ہو۔ کیونکہ انہوں نے تو قتل کیا تھا۔ اور تم اُن کی قبریں بناتے ہو۔" (لوقا ۱۱/۴۸) !!

انجیل اول و سوم کی مذکورہ بالا آیات کی تفاوت سے ظاہر ہے کہ کہ آیہ زیر بحث میں خداوند کا منشا یہ نہ تھا کہ" تم نبیوں کی قبریں بناتے ہو۔" علاوہ ازیں اس آیت میں الفاظ" ان کی قبریں" کسی یونانی لفظ کا ترجمہ نہیں[1]۔ بلکہ آیت کو سمجھنے کے لئے یہ لفظ انگریزی اور اردو ترجموں میں ایزاد کئے گئے ہیں۔ یونانی متن کے الفاظ ہیں۔" انہوں نے قتل کیا۔ اور تم بناتے ہو۔" مترجم یونانی کے سامنے سوال پیدا ہوا کہ کیا بناتے ہو؟ اور اس نے آیت ۴۷ سے لفظ "قبریں" لے کر

1. Westcott and Host, Greek New Testament.

آیت کو پورا کر دیا۔ لیکن قبروں کے بنانے سے جیسا مقدس متی میں وارد ہُوا ہے۔ ناپسندیدگی کا اظہار مقصود تھا نہ کہ پسندیدگی کا

پس یونانی متن میں صرف لفظ "بنانا" آیا ہے۔ پروفیسر ٹوری کہتا ہے کہ اس مقام میں اصل ارامی لفظ "بنین" بمعنی "اولاد یا بچے" تھا۔ لیکن یونانی متن کے مترجم نے اس لفظ کو "بنین" بمعنی "بنانا" سمجھ لیا۔ جس کی وجہ سے اس آیہ شریفہ کے سمجھنے میں دقت پیدا ہوتی ہے اُردو خوان ناظرین لفظ "بنی" بمعنی "اولاد" اور لفظ "بنا" بمعنی بنانا سے واقف ہیں۔ اور اس نکتہ کو بآسانی سمجھ سکتے ہیں۔ پس ڈاکٹر ٹوری کے مطابق اس آیہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔ "انہوں نے ان کو قتل کیا تھا اور تم بھی تو) انہی کی اولاد ہو اسی لیئے خدا کی حکمت نے کہا ہے... الخ۔

لوقا ۱۶/۱۶ متی ۱۱: ۱۲ "شریعت اور انبیا یوحنا تک رہے۔ اُس وقت سے خدا کی بادشاہی کی خوشخبری دی جاتی ہے اور ہر ایک زور مار کر اس میں داخل ہوتا ہے۔"

آنخداوند کا مطلب یہ ہے کہ یوحنا کی آمد تک صرف موسوی شریعت اور انبیاء اللہ ہی اہل یہود کے رہنما تھے۔ لیکن اب آپ کی آمد سے دنیا میں ایک نئی چیز یعنی خدا کی بادشاہت آگئی ہے لیکن لوگ اُس سے کس قسم کا سلوک کرتے ہیں؟ اس سوال کا جواب متی ۱۱/۱۲ میں ہے۔ کہ خدا کی بادشاہت کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ اور زور دار شخص اس کے نمائندوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں۔ یوحنا کو قتل کیا گیا اور میرے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جائیگا (متی ۱۷/۱۲)

لیکن موجودہ ترجمہ خداوند کا یہ مطلب ادا نہیں کرتا۔ اس کے برعکس اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ لوگ جوق در جوق خدا کی بادشاہت میں زور

مار کر داخل ہوتے ہیں۔ جو آپ کے منشاء کے خلاف ہے۔ علاوہ ازیں یہ ترجمہ متی ۱۱/۱۲ کے متضاد ہے۔

ڈاکٹر ٹوری کہتے ہیں کہ یونانی متن ایک ارامی لفظ کا غلط ترجمہ ہے جو اعراب کی تبدیلی کی وجہ سے وجود میں آیا ہے۔ اگر مترجم اُسی لفظ کے اعراب کو صحیح طور پر پڑھتا تو اس کا صحیح ترجمہ یہ ہوتا: "شریعت اور انبیا یوحنا تک رہے اس وقت سے خدا کی بادشاہی کی خوشخبری دی جاتی ہے۔ اور ہر ایک اس سے زور آزمائی کرتا ہے۔" یہ ترجمہ متی ۱۱/۱۲ کے مطابق بھی ہے۔

لوقا ۲۴/۳۲ "کیا ہمارے دل جوش سے نہ بھر گئے تھے"

یہ تمام واقعہ ۲۴/۱۳-۲۵ ثابت کرتا ہے۔ کہ اماؤس کی راہ پر دونوں شاگردوں نے آنخداوند کو نہ پہچانا۔ کیونکہ ان کی آنکھیں بند تھیں (آیت ۱۶) لیکن زیر بحث ترجمہ کہتا ہے کہ راہ میں ہی ان کے دلوں کے جذبہ نے ان کو بتلا دیا تھا کہ اُن کا ساتھی کون ہے۔ عبرانی اور ارامی زبانوں میں لفظ دِل سے عموماً مراد "ذہن" لی جاتی ہے۔ پس دونوں شاگردوں کا درحقیقت مطلب یہ تھا کہ جب آنخداوند اُن سے گفتگو فرما رہے تھے تو اُن کی سمجھ پر پتھر پڑ گئے تھے (آیت ۲۵) اور اُن کے ذہن ایسے کند اور سست ہو گئے تھے کہ وہ آپ کو شناخت بھی نہ کر سکے۔ دونوں شاگرد اپنے آپ کو غبی ہونے کی وجہ سے ملامت کرتے تھے۔

یہ امر قابل غور ہے کہ اناجیل کے قدیم ترین تینوں شامی ترجموں میں "ہمارے دل جوش سے بھر گئے تھے" کی بجائے الفاظ "ہمارے ذہن کند ہو گئے تھے" پائے جاتے ہیں۔ حالانکہ ان شامی مترجموں کے سامنے یونانی متن موجود تھا جس

سے وہ ترجمہ کر رہے تھے۔ ڈاکٹر ٹوری کا خیال ہے کہ یہاں ارامی لفظ یقیناً "عنی گنند" یعنی یا
بمعنی مسرت تھا جس کو یونانی مترجم نے بقید بمعنی جوش پڑھ کر غلط یونانی ترجمہ کر دیا۔ پس اس آیہ
شریفہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے "انہوں نے آپس میں کہا کہ جب وہ راہ میں ہم سے باتیں کرتا اور ہم پر
نوشتوں کا بھید کھولتا تھا تو کیا ہمارے ذہن واضح نہ ہو گئے تھے۔ گو ہم اسکو پہچان نہ سکے!

یوحنا ۲۱/۶ "پس وہ اسے کشتی پر چڑھا لینے کو راضی ہوگئے"

موجودہ ترجمہ نہایت عجیب اور حیران کن ہے۔ آنخداوند جھیل کے پانی پر چلتے
ہیں۔ شاگردوں کی ڈر کے مارے جان نکل جاتی ہے۔ خداوند ان کو ڈھارس دیکر فرماتے ہیں۔
"میں ہوں۔ ڈرو مت۔ پس وہ اسے کشتی پر چڑھا لینے کو راضی ہوگئے"۔ ڈاکٹر ٹوری کہتے
ہیں کہ یہاں اصل ارامی لفظ "ب ع و" تھا۔ یونانی متن کے مترجم نے "بعو" بمعنی راضی
ہونا پڑھ کر موجودہ ترجمہ کر دیا۔ لیکن یہ لفظ درحقیقت "بعو" تھا جس کے معنی ہیں فرط
انبساط سے خوش اور مسرور ہونا۔ پس آیہ شریفہ کا صحیح ترجمہ یہ ہوا۔ "میں ہوں۔ ڈرو مت
پس وہ اسے کشتی میں چڑھا کر نہایت مسرور ہوئے"۔ یہی لفظ "بعو" استثنا ۶۳/۲۸۔ زبور ۵/۱۹
اشعیا ۵/۶۲۔ یرمیاہ ۴۱/۳۲۔ حبقوق ۱۴/۳ میں وارد ہوا ہے۔

یوحنا ۸/۱۰ "بھیڑوں کا دروازہ میں ہوں جتنے مجھ سے پہلے آئے سب چور اور ڈاکو ہیں"

موجودہ ترجمہ میں مفسرین کو یہ مشکل پڑتی ہے کہ اس سے پہلے کی آیات میں جب خداوند مسیح نے سامعین
سے دروازہ، بھیڑخانہ، دربان کا دروازہ کھولنا وغیرہ کی تمثیل فرمائی اور وہ تمثیل کو نہ سمجھے تو مقدس یوحنا
کے مطابق خداوند نے اس تمثیل کو واضح کرنے کی خاطر ان سے فرمایا کہ "بھیڑوں
کا دروازہ میں ہوں" لیکن اس استعارہ سے مندرجہ بالا تمثیل پر روشنی
نہیں پڑتی بلکہ یہ استعارہ الٹی الجھن اور کوفت پیدا کر دیتا ہے۔ آپ کے
سامعین یہ تو سمجھ گئے کہ "چور اور ڈاکو" سے آپ کی مراد ان فقیہوں فریسیوں
اور صدوقیوں سے تھی جو آپ کے مخالف تھے (متی ۱۴/۱۵ و ۲۳ باب۔

لوقا ۳۱/۱۳ وغیرہ) جن میں سے بعض وہاں کھڑے بھی تھے اور جو آپ کے
خون کے پیاسے تھے۔ وہ اچھے چرواہے نہ تھے۔ کیونکہ ان نام نہاد لیڈروں
نے اہل یہود کے خیالات کو اپنی من مانی تفسیروں اور تاویلوں سے ایسا
بگاڑ دیا تھا کہ جب مسیح موعود آئے تو بھیڑیں اپنے اصلی چرواہے کو نہ
پہچان سکیں۔ (حزقی ایل ۱-۱۶/۳۴۔ یرمیاہ ۱-۴/۲۳ وغیرہ) لیکن یہ سامعین دروازہ
کے استعارہ سے ناآشنا تھے پس وہ "نہ سمجھے کہ یہ کیا باتیں ہیں جو
ہم سے کہتا ہے" (آیت ۶) اس پر خداوند ان کو اپنا مطلب سمجھانا چاہتے
ہیں۔ لیکن آیت ۷ کے موجودہ ترجمہ کے مطابق سمجھنے کی بجائے ان کی مشکلات
میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر ٹوری کہتا ہے کہ آیت سات میں یونانی مترجم اصل ارامی الفاظ
کو نہیں سمجھا۔ جس کا نتیجہ یہ غلط ترجمہ ہے۔ چنانچہ اصل ارامی الفاظ یہ
تھے۔ "انا ت خار حون دِ انا"۔ لیکن ارامی حروف کی غلط تقسیم کر کے یونانی
مترجم ان کو "انا تارع حون دانا" پڑھ گیا۔ اور ت کو مشدد کر گیا۔ جس کا
ترجمہ ہو گیا "میں بھیڑوں کا دروازہ ہوں" لیکن اصل ارامی الفاظ کا ترجمہ
تھا "میں بھیڑوں کا چرواہا ہوں"۔ لعبہ میں آیت ۹ کو آیت ۷ کی خاطر ازاد
کر دیا۔ جس طرح مرقس ۴۹/۹ کو سمجھانے کی خاطر جس میں الفاظ ایزاد کر
دئے گئے تھے۔ پس آیت ۹ کو حذف کر دینا چاہیے۔

لہذا ڈاکٹر ٹوری کے مطابق اس آیہ شریفہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے "بھیڑوں
کا چرواہا میں ہوں"۔ ڈاکٹر بلیک بھی اس ترجمہ کی حمایت کرتے کہتے ہیں
کہ ڈاکٹر ٹوری کی مجوزہ ارامی عبارت سادہ اور قدرتی ہے۔ جب ت کو
مشدد کر دیا جائے۔ تو اس کا یونانی ترجمہ وہی ہوتا ہے۔ جو متن میں ہے[1]

1. Black, Aramaic Approach p. 193 Note

ڈاکٹر نوڑی کا ترجمہ اناجیل کے سعیدی ترجمہ کے مطابق بھی ہے جو ڈاکٹر موفٹ کے خیال میں صحیح ہے۔ چنانچہ آپ اس کا یہی ترجمہ کرتے ہیں۔[1]

یوحنا ۱۴/۲۔ "میرے گھر میں بہت سے مکان ہیں اگر نہ ہوتے تو میں تم سے کہہ دیتا کیونکہ میں جاتا ہوں تاکہ تمہارے لئے جگہ تیار کروں۔"

موجودہ ترجمہ کے مطابق آیت کا دوسرا حصہ "اگر نہ ہوتے ... جگہ تیار کروں" سمجھ میں نہیں آتا۔ پس بعض مفسرین اس کو سوالیہ فقرہ سمجھ کر کہ "اگر نہ ہوتے تو میں تم سے کہہ نہ دیتا؟" اس کی تاویل کرتے ہیں دیگر علماء مختلف طریقوں سے اس مشکل کو حل کرتے ہیں۔

ڈاکٹر نوڑی کہتے ہیں کہ یہاں بھی یونانی مترجم نے ارامی الفاظ کو غلط پڑھ کر ان کے حروف کی غلط تقسیم کی ہے۔ اور یہ امر تمام مشکلات کی اصل وجہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہاں اصل ارامی الفاظ "دَالِا" تھے جس کے معنی ہیں "یہ واجب ہے" یا "یہ اچھا ہے" لیکن یونانی مترجم نے ان کو "وَ اِلا" پڑھا جس کے معنی ہیں "اگر ایسا نہ ہوتا"۔ چنانچہ فارسی اور عربی تراجم میں بھی موجودہ یونانی متن کا ترجمہ "و الّا بہ شما مے گفتم" اور "وَ اِلاّ فَاِنّی کُنتُ قَد قُلتُ" لکھا گیا ہے۔ اور ناظرین آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ دَالا کس طرح وَالا ہوگیا۔

پس ڈاکٹر نوڑی کے مطابق اس آیہ شریفہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے:-

"میرے باپ کے گھر میں بہت سے مکان ہیں۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ یہ اچھا ہے کہ میں جاکر تمہارے لئے جگہ تیار کروں۔"

1. Moffat New Translation of N.T.

پس اس آیت کے دوسرے حصہ کے الفاظ کا وہی مفہوم ہے جو ۱۶/۷ میں ہے "میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔" جہاں "اچھا" کی بجائے "فائدہ مند" یا مفید ترجمہ کیا گیا ہے۔

پس چودھواں باب یوں شروع ہوتا ہے:-

"تمہارا دل نہ گھبرائے۔ تم خدا پر ایمان رکھتے ہو مجھ پر بھی ایمان رکھو۔ میرے باپ کے گھر میں بہت سے مکان ہیں میں تم سے کہتا ہوں کہ یہ اچھا ہے کہ میں جاکر تمہارے لئے جگہ تیار کروں۔"

یوحنا ۱/۱۸۔ "خدا کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا۔ اکلوتا بیٹا جو باپ کی گود میں ہے۔ اسی نے ظاہر کیا۔"

قدیم زمانہ ہی سے اس آیت کے الفاظ زیر بحث رہے ہیں۔ اس آیت میں دو امور غور طلب ہیں۔

اوّل:- جب خداوند یسوع دنیا میں تھے تو وہ "باپ کی گود" میں نہیں تھے۔ کیونکہ آپ نے تجسم اختیار کر لیا ہوا تھا۔ لیکن اس آیہ شریفہ میں زمانہ حاضر استعمال ہوا ہے۔ "جو باپ کی گود میں ہے" اس زمانہ حاضر کا کیا مطلب ہے؟

پروفیسر نوڑی کہتے ہیں کہ یونانی متن کا مترجم اصل ارامی الفاظ کو خلط ملط کرنے کی وجہ سے غلطی کر گیا۔ یہ غلطی ارامی لفظ ھو (جو اسم ضمیر واحد غائب ہے) میں اور ھوا (یعنی "جو تھا") میں تمیز نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ مقدم الذکر لفظ زمانہ حاضر کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن دوسرے لفظ کا تعلق زمانہ ماضی سے ہے۔ مترجم نے اس مقام پر

لفظ حوا کو ھو پڑھ لیا۔ پس اس جگہ صحیح الفاظ "گود میں ہے" نہیں تھے۔ بلکہ ان کی بجائے صحیح "گود میں تھا" ہونے چاہئیں۔ اور ترجمہ یہ ہے۔ "اکلوتا بیٹا جو باپ کی گود میں تھا۔"

دوم:- "اکلوتا بیٹا" بعض یونانی نسخوں اور قدیم ترجموں میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ لیکن دیگر قدیم ترین یونانی نسخوں میں ان کی بجائے "اکلوتا خدا" لکھا ہے۔ اور یہ نسخے معتبر تسلیم کئے ہیں۔ سریانی ترجمہ (دریوانزڈ) میں بھی اس مقام پر "اکلوتا خدا" آیا ہے۔ دونوں قرأتیں یعنی "اکلوتا بیٹا" اور "اکلوتا خدا" دوسری صدی کے نسخوں میں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر مافٹ اس کا یوں ترجمہ کرتے ہیں[1] "خدا کو اکلوتے بیٹے نے ظاہر کیا ہے۔ جو الٰہی (صفات سے متصف) ہے"۔ ڈاکٹر لامسا کا انگریزی ترجمہ پشیتہ کا ترجمہ ہے۔ اسمیں لکھا ہے "خدا کے پلوٹھے نے جو باپ کی گود میں ہے۔ اسکو ظاہر کیا ہے۔"[2] ڈاکٹر لوسی اس کا یہ ترجمہ کرتے ہیں "خدا کے اکلوتے بیٹے نے جو باپ کی گود میں تھا۔ اس کو ظاہر کیا ہے"۔

یوحنا ۳/۱۳ "آسمان پر کوئی نہیں چڑھا سوا اس کے جو آسمان سے اترا یعنی ابن آدم جو آسمان میں ہے۔"

موجودہ یونانی متن کے زمانہ حال کے "جو آسمان میں ہے" قدیم زمانہ سے مفسروں کو سرگرداں کر رکھا ہے۔ حتیٰ کہ اس مشکل کی وجہ سے یہ الفاظ بعض قدیم

1. Moffat New Translation of the new Testament; also Good Speed New Testament.
2. Lamsa, The four Gospels according to the Eastern Version.

ترین معتبر نسخوں میں پائے نہیں جاتے۔ چنانچہ ویسٹ کوٹ اینڈ ہارٹ نے بھی ان کو اپنی ایڈیشن سے خارج کر دیا ہے[1]۔ بعض مفسر اس حصے کا یہ مطلب لیتے ہیں[2] کہ ابن آدم گو زمین پر ہے لیکن اس کا دل اور اصلی رہائش آسمان میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ انجیل نویس کا یہ مطلب تھا کہ اب اسوقت جب میں انجیل چہارم لکھ رہا ہوں ابن آدم آسمان میں ہے۔

ڈاکٹر لوسی کہتے ہیں کہ اس آیہ شریفہ کے آخری حصہ میں بھی یونانی متن کے مترجم نے ارامی الفاظ ھوا اور ھو کو خلط ملط کر دیا ہے۔ یہاں مترجم نے ارامی لفظ ھوا (یعنی جو تھا) کی بجائے لفظ ھو پڑھ لیا جس کا تعلق زمانہ حاضرہ سے ہے۔

ڈاکٹر لوسی کے ترجمہ سے آیہ شریفہ میں کسی قسم کی مشکل نہیں رہتی۔ چنانچہ آیت کا ترجمہ یہ ہوگا۔ "آسمان پر کوئی نہیں چڑھا۔ سوا اس کے جو آسمان سے اترا یعنی ابن آدم جو آسمان پر تھا۔"

یہ ترجمہ نہ صرف سیدھا سادہ ہے جو کسی تاویل کا محتاج نہیں۔ بلکہ آیات ۱۱ و ۱۲ کے مفہوم کو واضح بھی کر دیتا ہے۔

مرقس ۹/۲۹ - "یہ قسم دعا کے سوا کسی اور طرح نہیں نکل سکتی۔"

اس ترجمہ میں مشکل یہ ہے کہ خداوند نے شاگردوں کو "ناپاک روحوں پر اختیار بخشا تھا۔ (۳/۱۵ - ۶/۷) اور انہوں نے مختلف مقامات میں بہت

1. West Cott and Hort, the New Testament in Greek.
2. Plummer St, John (Cambridge Bible)

سی بدروحوں کو نکالا" بھی تھا (۱۶/۶) پھر کیا وجہ ہے کہ نو کے نو شاگرد اِس خاص ناپاک رُوح کو نکال نہ سکے ؟

علاوہ ازیں اس آیت سے اور مقدس متی کی انجیل سے ظاہر ہے کہ خداوند کے شاگردوں میں دُعا کی کسر نہ تھی۔ بلکہ ایمان کی کسر تھی۔ اُن کے ناپاک رُوح کو نہ نکال سکنے کی وجہ ان کی اور لڑکے کے باپ کی بے اعتقادی تھی۔ (مرقس ۹/۲۳ متی ۱۷/۲۰) علاوہ ازیں اس مقام پر آنخداوند شاگردوں کو دُعا نہ کرنے کے لئے ملامت نہیں فرماتے۔ بلکہ ان کی بے بسی کے احساسِ کمتری کے لئے ملامت فرماتے ہیں۔ جو ان کی بے اعتقادی کا نتیجہ تھی۔

یہاں یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ خداوند اس خاص بدرُوح کو نکالنے سے پہلے خود بھی دُعا نہیں مانگتے جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس کے نکالنے اور دُعا مانگنے میں لازم و ملزوم کا تعلق نہیں ہے۔ ڈاکٹر ٹوری کہتے ہیں کہ یہ مشکل یونانی مترجم کی غلطی کا نتیجہ ہے۔ اس مقام میں درحقیقت ارامی لفظ اِلّا (یعنی "سوائے") نہیں لکھا تھا۔ بلکہ ارامی متن میں اس مقام پر لفظ آپ اِلّا (یعنی "سے بھی") تھا۔ یونانی مترجم ارامی حروف کے یکساں ہونے کی وجہ سے یہ غلطی کر گیا۔ پس اس عالم کے مطابق اس آیہ شریفہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے:- "یہ قسم دعا سے بھی کسی طرح نہیں نکل سکتی۔"

مرقس ۱۵/۲۱۔ لوقا ۲۳/۲۶۔ متی ۲۷/۳۲:- **شمعون نام ایک قرینی آدمی سکندر اور روفس کا باپ دیہات سے آتے ہوئے اُدھر سے گذرا**

ڈاکٹر ٹوری کہتے ہیں کہ یونانی مترجم نے اس جگہ قروائی کی واؤ کو غلطی سے نون پڑھ کر قرنائی لکھ دیا ہے۔ پس اس فاضل مصنّف کے خیال میں اس آیہ

شریفہ میں لفظ قرنائی یعنی قرینی نہیں تھا۔ بلکہ قروائی یعنی دیہاتی یا کسان تھا۔ چنانچہ مقدس متی اور مقدس مرقس دونوں لکھتے ہیں کہ شمعون "دیہات سے آتے ہوئے اُدھر سے گذرا۔" اِن آیات سے ڈاکٹر ٹوری صاحب کے خیال کی تصدیق اور تائید ہوتی ہے۔

جب صلیبی واقعہ کے دس سال بعد انجیل مرقس لکھی گئی تو شمعون کے بیٹے مسیحی کلیسیا کے "برگزیدہ" رکن تھے۔ جب مقدس پولوس نے اپنا خط رومیوں کو لکھا تو اُس خاندان کے چند ممبر رومی میں اقامت گزیں تھے۔ چنانچہ رسول مقبول روفس اور اُس کی ماں کو سلام بھیجتے ہیں (۱۶/۱۳)۔ پس ڈاکٹر ٹوری صاحب کے مطابق اس آیہ شریفہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے:- "شمعون نام ایک کسان سکندر اور روفس کا باپ دیہات سے آتے ہوئے اُدھر سے گذرا۔"

یوحنا ۱/۱۵۔ **یوحنا نے اس کی بابت گواہی دی کہ جو میرے بعد آتا ہے وہ مجھ سے مقدم ٹھہرا کیونکہ وہ مجھ سے پہلے تھا"**

پروفیسر برنی کہتے ہیں کہ اس آیہ شریفہ کی ارامی عبارت کا صحیح ترجمہ یُوں ہونا چاہیئے۔ "وہ جو میرے بعد آ رہا ہے مجھ سے مقدم ہوگا۔ کیونکہ وہ (سب سے) قدیم تھا۔ یعنی وہ "ابتدا" میں تھا۔ یہاں ارامی الفاظ "قدامے" اور "قدمے" استعمال کئے گئے تھے۔ جو ایک دوسرے سے مشابہ ہیں۔ انجیل نویس نے اس صنعت کو استعمال کر کے مقدس یوحنا اصطباغی اور کلمۃ اللہ میں فرق دکھایا ہے۔

یوحنا ۲۰/۲ "وہ (مریم مگدلینی) دوڑی ہوئی گئی۔ اور (ان شاگردوں) سے کہا۔ کہ خداوند کو قبر سے نکال لے گئے اور

ہمیں معلوم نہیں کہ اُسے کہاں رکھ دیا۔"

اس انجیل کے مطابق مریم مگدلینی قبر پر اکیلی گئی تھی (پہلی آیت)۔ لیکن دُوسری آیت کے آخر میں وہ صیغہ جمع متکلم "ہمیں" استعمال کرتی ہے۔ ڈاکٹر برنی کہتے ہیں[1] کہ یہاں ارامی الفاظ "لا یادِ عنا" تھے۔ جنکو یونانی متن کے مترجم نے غلطی سے "لا یدِ نا" پڑھ لیا۔ مقدم الذکر فعل واحد متکلم صیغہ مونث ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ "میں نہیں جانتی" لیکن موخر الذکر فعل جمع متکلم ہے جس کے معنی ہیں "ہم نہیں جانتے"۔ پس اس آیہ شریفہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے :-

"مَیں نہیں جانتی کہ اسے کہاں رکھ دیا"

لوقا ۱۳/۳۱-۳۲-۳۳ - "دیکھ میں آج اور کل بدروحوں کو نکالتا اور شفا دینے کا کام انجام دیتا رہوں گا۔ اور تیسرے دن کمال کو پہنچوں گا۔ مگر مجھے آج اور کل اور پرسوں اپنی راہ جانا ضروری ہے۔ کیونکہ ممکن نہیں کہ نبی یروشلم سے باہر ہلاک ہو۔"

موجودہ ترجمہ کے مطابق آیت ۳۲ اور ۳۳ میں تضاد ہے۔ آیت ۳۲ میں آنخداوند فرماتے ہیں۔ کہ آپ "آج اور کل" اپنا کام انجام دیں گے۔ لیکن آیت ۳۳ میں ہے۔ کہ آپ کو انہی دِنوں میں "اپنی راہ جانا ضرور ہے"۔

موجودہ ترجمہ کے مطابق الفاظ "اپنی راہ جانا ضرور ہے" کا مطلب بھی صحیح طور پر واضح نہیں۔ عبرانی اور ارامی محاورہ کے مطابق ان الفاظ

1. Aramaic Origin Ch. 7.

کا مطلب آپ کی صلیبی موت ہے۔ (یوحنا ۸/۲۱۔ مرقس ۱۴/۲۱۔ متی ۲۶/۲۴۔ لوقا ۲۲/۲۲۔ ایوب ۳۳/۱۸ وغیرہ)

علاوہ ازیں الفاظ "کمال کو پہنچوں گا" موجودہ سیاق و سباق میں موزوں نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف مفسرین ان کی مختلف تاویلیں کرتے ہیں[1]۔ اور دورِ حاضرہ کے مترجمین ان الفاظ کے مختلف ترجمے کرتے ہیں ویلہاسن ان آیات میں سے الفاظ " اور تیسرے دن کمال کو پہنچوں گا مگر آج اور کل" کو خارج کردیتا ہے تاکہ ان آیات کا مطلب نکل آئے[2]۔

ہمیں یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ الفاظ "کمال کو پہنچوں گا" اناجیل اربعہ کے کسی اور مقام میں منجیِ عالمین کی صلیبی موت کے لیے استعمال نہیں ہوئے۔

ڈاکٹر ٹوری کہتے ہیں کہ ارامی زبان میں ارامی الفاظ جن کا ترجمہ "کام انجام دینا" (لمعبد) اور "راہ جانا" (لمعبر) ہیں ان میں صرف حروف "د" اور "ر" کا فرق ہے جو مشابہ ہونے کی وجہ سے اکثر ایک دُوسرے کی بجائے لکھے جاتے ہیں۔ اسی طرح ارامی زبان کے الفاظ (مشلم) بمعنی "کمال کو پہنچوں گا" ——— اور مشلم ایک ہی طرح لکھے جاتے ہیں۔ یونانی مترجم نے ان ارامی الفاظ کو خلط ملط کردیا ہے۔ جس کی وجہ سے ان آیات کا صحیح مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔

1. Farrar, St. Luke (Cambridge Bible).

2. Findlay, Commentary on Luke.

ڈاکٹر بلیک[1] کہتے ہیں کہ الفاظ "آج اور کل اور پرسوں" شامی زبان میں ایک عام محاورہ ہے جس سے مُراد کوئی خاص دن یا زمانہ نہیں بلکہ غیر معیّن وقت ہوتا ہے (ہوسیع ۶/۲) بمقام زیرِ بحث میں بھی کوئی خاص دن مُراد نہیں ہے جن الفاظ کا "آج اور کل" ترجمہ ہوا ہے وہ ارامی زبان میں "یوَم دن ویوَم اخرٰ" ہیں۔ جن سے مراد صرف "یوم بہ یوم" ہوتی ہے اور آنخداوند کا مطلب ہے کہ میں بد رُوحوں کو نکالتا ہوں اور یوم بہ یوم شفا بخشتا ہوں۔ یہی الفاظ دُعائے ربانی میں بھی استعمال ہوئے۔ "جیبہ لنا لحم" (ہمیں روٹی دے) "یوَم دن و یوَم اخرٰ" (یوم بہ یوم) یعنی ہمیں یوم بہ یوم روٹی دے۔

پس ڈاکٹر بلیک کے مطابق مذکورہ بالا آیات کا ترجمہ یہ ہے:۔

"دیکھو میں بد رُوحوں کو نکالتا ہوں اور یوم بہ یوم شفا بخشنے کا کام انجام دیتا ہوں۔ لیکن میں ایک دن جلدی کمال کو پہنچوں گا۔ مگر یہ ضرور ہے کہ میں یوم بہ یوم کام کروں اور ایک دن جلدی جاؤں"۔

ڈاکٹر ٹوری کے مطابق ان آیات کا ترجمہ یہ ہے:۔

"دیکھو میں آج اور کل بدرُوحوں کو نکالنے اور شفا بخشنے کا کام انجام دیتا رہوں گا۔ اور تیسرے دن پکڑوایا جاؤں گا۔ کیونکہ یہ ضرور ہے کہ میں آج اور کل کام کروں مگر پرسوں مجھے اپنی راہ جانا ضرور ہے"۔

یوحنا ۱۳/۳۱-۳۲ "جب وہ باہر چلا گیا تو یسُوع نے کہا کہ اب

---

1. Black, An Aramaic approach to the Gospels and Acts PP.151 - 153

ابنِ آدم نے جلال پایا اور خُدا نے اس میں جلال پایا اور خُدا بھی اسے اپنے میں جلال دیگا بلکہ فی الفور اسے جلال دیگا۔

ان آیات میں الفاظ "جلال پانا" اور "جلال دینا" چار دفعہ وارد ہوئے ہیں۔ لیکن ان الفاظ کے اعادہ سے آیات کے معنی واضح نہیں ہوتے۔ پس قدیم زمانہ سے ہی مفسرین ان آیات کی طرح بطرح تاویل کرتے چلے آئے ہیں لیکن کبھی کو نمایاں کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔

ڈاکٹر ٹوری کہتا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انجیل کے موجودہ قدیم ترین نسخوں کی نقل سے بھی پہلے کسی کاتب نے آیت ۳۲ کے یونانی الفاظ کے "یوتلیس" (Kaloθeos) یعنی "اور فی الفور" کو "کے یوتھیوس" (Kaleubus) یعنی "اور خُدا" لکھ دیا۔ کتابت کی یہ غلطی آیت ۳۱ کے آخری الفاظ کی وجہ سے غالباً سرزد ہوگئی۔ اگر ڈاکٹر ٹوری کا یہ قیاس درست ہے تو ان آیات کا متن یہ تھا۔

"جب وہ باہر چلا گیا تو یسُوع نے کہا کہ اب ابنِ آدم نے جلال پایا اور خُدا نے اس میں جلال پایا اور وہ (ابنِ آدم) اب فی الفور اپنے میں اس (خُدا) کو جلال دے گا"۔

اگر یہ درست ہے تو اس آیہ شریفہ کا یہ مطلب ہوگا کہ خُداوند مسیح اعلان فرماتے ہیں کہ عنقریب آپ اپنی ہی جان کو قربان کر کے خُدا کا جلال ظاہر کرنے والے ہیں۔ اس قیاس کی تصدیق اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ الفاظ "اپنے میں" ایک عبرانی اور ارامی محاورہ ہے جس کے معنی "اپنی جان" کے ہیں۔ بعینہٖ یہی محاورہ اسلاطین ۲/۲۳ میں ہے جہاں لکھا ہے "تب سلیمان بادشاہ نے قسم کھائی اور کہا کہ اگر ادونیاہ نے یہ بات اپنی ہی جان کے خلاف نہیں کہی تو خُدا

مجھ سے ایسا ہی بلکہ اس سے زیادہ کریے۔"

پس آنخداوند اس آیہ شریفہ میں اپنی موت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ لیکن سامعین آپ کی اس رمز کو نہ سمجھے۔ جس طرح وہ خداوند کے دیگر اشارات اور کنایات کو نہیں سمجھتے تھے جن کا تعلق آپ کی صلیبی موت سے تھا (یوحنا ۱۲/۱۴ - ۸/۲۸ - ۱۲/۳۲،۳۴ - ۱۸/۳۲ وغیرہ)۔

پس ڈاکٹر ٹوری کے مطابق آیاتِ بالا کا صحیح ترجمہ یہ ہے:-

"جب وہ باہر چلا گیا تو یسوع نے کہا کہ اب ابن آدم نے جلال پایا اور خدا نے اس میں جلال پایا اور وہ اس کو اپنی ہی جان سے جلال دے گا۔"

لوقا ۲۱/۵۔ اور جب بعض لوگ ہیکل کی بابت کہہ رہے تھے کہ وہ نفیس پتھروں اور نذر کی ہوئی چیزوں سے آراستہ ہے تو اس نے کہا کہ وہ دن آئیں گے ...... کہ یہاں کسی پتھر پر پتھر باقی نہ رہے گا جو گرایا نہ جائے۔

اس مقام میں "نذر کی ہوئی چیزوں" کا ذکر اس سیاق و سباق میں بے محل اور عجیب معلوم پڑتا ہے۔ خداوند یسوع اپنے شاگردوں کے ساتھ ہیکل سے دور شہر کی دیوار سے باہر جا چکے تھے (مرقس ۱۳/۱ - متی ۲۴/۱) اور زیتون کے پہاڑ پر ہیکل کے سامنے (مرقس ۱۳/۳) بیٹھے تھے۔ غالباً اس وقت آفتاب غروب ہو رہا تھا اور اس کی آخری شعاعیں ہیکل کی دیواروں پر پڑ رہی تھیں۔ شاگرد عمارت کو حیرت سے دیکھ کر انگشت بدنداں ہو کر کہتے ہیں "اے استاد دیکھ یہ کیسے کیسے پتھر اور کیسی کیسی عمارتیں ہیں (مرقس ۱۳/۱) کیونکہ ہیکل کی دیوار

کے پتھر بڑے قد کے تھے اور بعض چالیس مکعب فٹ لمبے اور دس فٹ اونچے تھے۔ سنگ مرمر کی سرخ و سفید سلیں یکے بعد دیگرے سلسلہ وار ترتیب سے لگی ہوئی ایک عجیب نظارہ پیش کر رہی تھیں[1]۔ اس سیاقِ عبارت میں "نذر کی ہوئی چیزوں" کا ذکر بے جا اور غیر موزوں معلوم پڑتا ہے۔ ان چیزوں میں اگرپا کی طلائی زنجیر۔ تولومی فلیڈلفس اور اگستس اور ہیلن[2] کی نذر کی ہوئی چیزیں اور تاج۔ سپریں اور ڈھالیں اور بیش قیمت ساغر و جام وغیرہ دیگر بے بہا اشیاء تھیں[3]۔ جن کی وجہ سے ٹیسی ٹس (TACITUS) کہتا ہے کہ "ہیکل بے شمار دولت کا خزانہ ہے"، لیکن ان بیش قیمت "نذر کی ہوئی چیزوں" کو تو شاگرد وہاں سے دیکھ بھی نہیں سکتے تھے بلکہ اگر وہ ہیکل کے اندر ہوتے تو وہاں بھی ان کی نظر ان اشیاء پر نہ پڑ سکتی تھی۔ علاوہ ازیں خداوند یسوع کے جواب میں بھی جو اگلی آیت میں ہے "ان نذر کی ہوئی چیزوں" کا ذکر چھوڑ، اشارہ تک پایا نہیں جاتا۔

اس بنا پر ڈاکٹر ٹوری کا یہ خیال ہے کہ جس ارامی لفظ کا یہاں ترجمہ "نذر کی ہوئی چیزوں" کیا گیا ہے۔ وہ درحقیقت "قربانیں" نہیں تھا بلکہ "دربانیں" تھا جس کے معنی "بڑے۔ کلاں۔ عظیم" ہیں۔ ارامی حروف تہجی میں حروف ق اور د میں فرق نظر نہیں آتا۔ جس کی وجہ سے ارامی متن کے مترجم نے "دربانیں" کو "قربانیں" پڑھ کر "بڑے" لکھنے کی بجائے "نذر کی ہوئی

---

(1)- JOSEPHUS B.J.V. (2) HELEN

(3) JOSEPHUS B.J. V 5. 4; 2 MACC 5.16

JOSEPHUS, ANTIQUITIES XIII. 3; XV 11. 3.

چیزیں" لکھ دیا ہے۔

پس ڈاکٹر ٹورّی کے مطابق اس آیہ شریفہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے:-

"اور جب بعض لوگ ہیکل کی بابت کہہ رہے تھے کہ وہ نفیس اور بڑے بڑے پتھروں سے آراستہ ہے تو اس نے کہا کہ وہ دن آئیں گے ..... کہ یہاں کسی پتھر پر پتھر باقی نہ رہے گا جو گرایا نہ جائے۔"

یوحنا ۱۴/۳۱ کا آخری حصہ: "اٹھو یہاں سے چلیں"۔

یوحنا ۱۴ تا ۱۶ ابواب میں خداوند مسیح کے آخری **کلمات** درج ہیں اور یہ **کلمات** مسلسل ہیں۔ لیکن ۱۴/۳۱ آیت کا یہ آخری حصہ اس سلسلہ کلام کو توڑ دیتا ہے جس کی وجہ سے نفسِ مضمون کے بیان میں **خلل** واقع ہو گیا ہے۔ علاوہ ازیں پندرھویں باب کے شروع میں یہ نہیں لکھا کہ آنخداوند اور آپ کے شاگرد کہیں چلے بھی گئے۔ بلکہ ان کے جانے کا ذکر ۱۸/۱ میں آیا ہے۔

ان دونوں مشکلوں کو حل کرنے کے لئے مفسرین نے مختلف طریقے اختیار کئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ انجیل کا یہ حصہ (ابواب ۱۵ تا ۱۶) بعد کے زمانہ کا ہے۔ بعض ابواب ۱۳ تا ۱۶ کی از سر نو تشکیل کر کے کہتے ہیں کہ یہ ابواب یوں لکھے جانے چاہئیں۔ ۱۳/۱-۳۰ - ۱۵ باب - ۱۶ باب - ۱۳/۳۱-۳۸ - ۱۴ باب + غرضیکہ ۱۴/۳۱ کا زیر بحث آخری حصہ مشکلات برپا کر دیتا ہے۔

علاوہ ازیں انجیل کے یونانی متن سے ظاہر ہے کہ اس آیہ شریفہ میں خداوند نے ایک بات شروع کی ہے جو ادھوری رہ گئی ہے اور ختم ہونے نہیں پائی۔ وہ کون سی بات ہے جس سے دُنیا جان لے گی کہ آنخداوند باپ سے محبت رکھتے ہیں؟ اس سوال کا جواب موجود نہیں۔

ایک اور امر قابلِ ذکر ہے۔ اگر الفاظ زیر بحث آیت ۳۱ کے آخر میں

نہ ہوتے تو ۱۴ باب کے بعد پندرھویں باب کا آغاز ایک قدرتی امر نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر ٹورّی کہتے ہیں کہ ان مشکلات کی اصل وجہ آیت کے اس حصہ کا غلط یونانی ترجمہ ہے۔ ارامی انجیل کے اس حصہ کے دونوں ارامی لفظوں میں حرف الف موجود تھا یعنی پہلے لفظ کے آخر میں الف تھا اور دوسرے لفظ کے شروع میں بھی الف تھا لیکن کاتب دونوں جگہ حرف الف لکھنے کی بجائے ایک الف کو نظر انداز کر گیا یعنی دو الف لکھنے کی بجائے صرف ایک الف لکھ گیا۔ جس کی وجہ سے ترجمۂ یونانی میں عبارت کچھ سے کچھ ہو گئی۔ کتابت کی یہ غلطی ایک عام غلطی ہے۔ اس غلطی کی وجہ سے کاتب نے لفظ قومو لکھ دیا جو صیغہ جمع کا ہو گیا اور اس کا ترجمہ ہو گیا "اٹھو یہاں سے چلیں"۔ دراصل ارامی الفاظ کا ترجمہ یہ تھا "میں یہاں سے چلنے کو کھڑا ہوں"۔

اگر آیت کا یہ حصہ اس طرح پڑھا جائے تو کلمات کے تسلسل میں اور نفسِ مضمون میں کسی قسم کا فرق نہیں آتا اور ابواب ۱۴ تا ۱۶ ایک مسلسل صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ منجی عالمین فرماتے ہیں "تمہارا دل نہ گھبرائے۔ میں جاتا ہوں۔ میں پھر آ کر تم کو اپنے ساتھ لے لوں گا۔ میں باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تم کو تسلی دینے والا بخشے گا۔ میں تم کو اطمینان دیے جاتا ہوں۔ تمہارا دل نہ گھبرائے اور نہ ڈرے۔ میں نے تم سے کہا ہے کہ میں جاتا ہوں۔ اگر تم مجھ سے محبت رکھتے تو اس بات سے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں خوش ہوتے۔ اب وقت کوتاہ ہے۔ اس دنیا کا سردار روانہ ہو رہا ہے۔ میری موت کا وقت آ گیا ہے۔ اس لئے کہ دُنیا جان لے کہ میں باپ سے محبت رکھتا ہوں اور جس طرح باپ نے مجھے حکم دیا میں ویسا ہی کرتا ہوں۔ میں یہاں سے جانے کو تیار کھڑا ہوں"۔

یعنی مَیں مرنے کو تیار ہُوں۔

مرقس ۶/۸ (متی ۱۰/۱۰ - لوقا ۹/۳)۔ "(یسوع نے بارہ کو) حکم دیا۔ کہ راستے کے لیئے سوا لاٹھی کے کچھ نہ لو۔ نہ روٹی۔ نہ جھولی۔ نہ اپنے کمر بند میں پیسے۔"

جب ہم اس آیت کا انجیلِ اوّل اور سوم کے مذکورہ بالا مقامات سے مقابلہ کرتے ہیں تو ہم پر یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان مقامات میں لاٹھی کو مستثنےٰ نہیں کیا گیا۔ پس مختلف مفسر طرح طرح کی تاویلیں کرتے ہیں۔

ڈاکٹر ٹوری کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا آیت میں ارامی لفظ جس کے اردو میں معنی "سوا" کیئے گئے ہیں۔ وہ "اِلّا" نہیں تھا۔ بلکہ "لا" بمعنی "نہیں" تھا۔ اس عالم کے خیال کے مطابق لفظ "اِلّا" کا پہلا حرف الف درحقیقت اس سے پچھلے ارامی لفظ کا حصہ تھا اور یہاں صرف لفظ "لا" تھا لیکن یونانی مترجم نے اس حرف الف کو "لا" کے ساتھ ملا کر "اِلّا" پڑھا جس کا ترجمہ "سوا" ہو گیا۔ درحقیقت یہاں لفظ "لا" تھا جس کا ترجمہ یہاں "نہیں" ہونا چاہیئے۔

پس ڈاکٹر ٹوری صاحب کے مطابق اس آیہ شریفہ کا اصلی ترجمہ یہ ہے:-

"اس نے حکم دیا کہ راستے کے لیئے کچھ نہ لو۔ نہ لاٹھی نہ روٹی۔ نہ جھولی۔ نہ اپنے کمر بند میں پیسے"۔

یہ ترجمہ متی ۱۰/۱۰ اور لوقا ۹/۳ کے مطابق بھی ہے۔

یوحنا ۳/۳۳ "جس یوحنا (بپتسمہ دینے والے) نے اُس (آسمان سے آنیوالے) کی گواہی قبول کی اُس نے اِس بات پر مُہر کر دی کہ خدا سچّا ہے"

جب ہم اس آیہ شریفہ کے سیاق و سباق پر غور کرتے ہیں تو موجودہ ترجمہ کی خامی ہم پر عیاں ہو جاتی ہے۔ کیونکہ **اوّل** وہ اس آیت کو غیر ضروری اور فضول بنا دیتا ہے۔ **دوم**۔ اس آیت کے ابتدائی الفاظ سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ آیت کے آخری حصہ کا نتیجہ نہایت مضبوط اور زبردست ہو گا لیکن موجودہ ترجمہ میں نتیجہ نہایت بودا اور کمزور ہے۔ علاوہ ازیں اس آیت کے بعد جو عقیدہ درج ہے اس کا انحصار اس دلیل پر ہے جو زیرِ بحث آیت میں ہے لیکن دونوں میں کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔

جس حقیقت کا یہ آیت اعلان کرتی ہے وہ مندرجہ الفاظ سے شروع ہوتی ہے کہ ایک تن تنہا ایمان دار (یوحنا) نے اس کی گواہی کو قبول کیا جو آسمان سے اترا ہے اور اس نے قبول کر کے اس بات پر مہر لگا دی ہے کہ خدا سچا ہے! اب عَبی سے عَبی شخص پر بھی ظاہر ہے کہ یہاں نتیجہ "خدا سچا ہے" بے محل ہے۔ کیونکہ جو شخص خدا پر ایمان لاتا ہے اس کو اس بات کے ماننے کے لیئے کسی "مُہر" کی ضرورت نہیں کہ "خدا سچا ہے"۔

ڈاکٹر ٹوری کہتے ہیں کہ ارامی میں اصل لفظ "اِلاہی" (بمعنی ربانی یا سماوی) تھا لیکن یا تو ارامی نسخہ کے کاتب نے اس لفظ کے بعد ایک اور لفظ ایزاد کر دیا یا یونانی مترجم نے اس کو "اِلاہا" پڑھ لیا جس کے معنی "خدا" ہو گیے۔

پس اس آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہُوا:

"جس (یوحنا) نے اُس (آسمان سے آنے والے) کی گواہی قبول کی اُس نے اس بات پر مُہر کر دی کہ وہ سچ مچ ربانی یا (سماوی) ہے۔

یہ ترجمہ نہ صرف ۲۹ تا ۳۴ آیات کے مفہوم کے مطابق ہے بلکہ سیاق

وسباق اس کے خواہاں ہیں۔ یہ ترجمہ آیت ۳۵ کے الفاظ کے مطلب کو بھی روشن کر دیتا ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ خُدا نے اپنے مسیح کو رُوح ناپ کر نہیں بلکہ کامل اور اکمل طور پر عطا کی تھی۔

یُوحنا ۳:۳۴ "کیونکہ جسے خُدا نے بھیجا ہے وُہ خُدا کی باتیں کہتا ہے۔ اس لئے کہ وُہ رُوح ناپ ناپ کر نہیں دیتا۔"

گذشتہ آیت کی نسبت ہم نے بتلایا تھا کہ ڈاکٹر ٹوری کے مطابق اس سے پہلی آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے:۔

"جس (یوحنا) نے اس (آسمان سے آنے والے یعنی یسُوع) کی گواہی قبول کی اس نے اس بات پر مُہر کر دی کہ وُہ (یسُوع) سچ مچ ربانی (یا سماوی) ہے۔"

ڈاکٹر ٹوری کہتے ہیں کہ آیت ۳۴ میں جس ارامی لفظ کا ترجمہ "دیتا" کیا گیا ہے وُہ "یہب" ہے۔ یونانی مترجم نے اس لفظ میں حرف ی پر زبر اور حرف ہ پر زیر لگا کر اس لفظ کو "یہِب" پڑھا۔ جس کی وجہ سے اس لفظ کا ترجمہ "دیتا" ہو گیا۔ ڈاکٹر موصوف کے خیال میں اس لفظ میں حرف ی پر زیر اور ہ پر زبر تھی۔ پس مترجم کو اسے "یہَب" پڑھنا چاہیئے تھا۔ جو فعل ماضی ہے اور جس کا ترجمہ "دی" ہونا چاہیئے تھا۔

پس ڈاکٹر موصوف کے مطابق اس آیہ شریفہ کا صحیح اُردو ترجمہ یہ ہے:۔

"کیونکہ جسے (یسُوع کو) خُدا نے بھیجا وُہ خُدا کی باتیں کہتا ہے۔ اس لئے کہ اس نے (یسُوع کو) رُوح ناپ ناپ کر نہیں دی۔"

یُوحنا ۵:۴۴ "تم جو ایک دوسرے سے عزّت چاہتے

ہو اور وُہ عزّت جو خُدائے واحد کی طرف سے ہوتی ہے نہیں چاہتے کیونکر ایمان لا سکتے ہو"؟

اس مقام میں جیسا پروفیسر ذاہن کہتا ہے۔ الفاظ "خُدائے واحد" موزوں نہیں ہیں۔ ابتدائی زمانہ کی قرأت بھی اس مفسر کی حمایت کرتی ہے اس سے پہلی آیت میں حقیقی مسیح موعود کا جو "باپ کے نام سے آتا ہے" دیگر کاذب دعویداروں سے جو "اپنے ہی نام سے آتے ہیں" مقابلہ کیا گیا ہے۔ پس آیہ زیرِ بحث میں "خُدائے واحد" کے الفاظ بے محل اور غیر موزوں ہیں کیونکہ وُہ سیاق وسباق کے مطابق درست معلوم نہیں ہوتے۔

ڈاکٹر ٹوری کہتا ہے کہ یونانی مترجم نے جس ارامی لفظ کا ترجمہ اس آیت میں "خُدائے واحد" کیا ہے وُہی لفظ ہے جو ۱:۱۸ اور ۳:۱۸ میں وارد ہوا ہے جہاں اس کا ترجمہ "اکلوتا بیٹا" کیا گیا ہے۔ اگر یہ درست ہے تو اس آیہ شریفہ کا یہ مطلب ہے کہ دُنیا کے لوگ کاذب دعویدارانِ مسیحیت کو قبول کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں کیونکہ وُہ ایک دُوسرے سے عزّت چاہتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں اُس عزّت کو حاصل کرنے کی خواہش موجود نہیں جو حقیقی مسیح موعود اُن کو دیتا ہے۔

ڈاکٹر ٹوری کے مطابق مترجم کے سامنے جو ارامی نسخہ تھا، اس میں ان دو لفظوں میں سے (جن کا ترجمہ "خُدائے واحد" کیا گیا ہے) حرف الف پہلے لفظ کے آخر میں اور دُوسرے لفظ کے شروع میں تھا لیکن الف کو صرف دُوسرے لفظ کے شروع "الیَدَ" میں ہی ہونا چاہیئے تھا۔

پس اس عالم کے مطابق آیہ شریفہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے:۔

تم جو ایک دُوسرے سے عزت چاہتے ہو اور وُہ عزت جو خُدا کے اکلوتے بیٹے کی طرف سے ہوتی ہے نہیں چاہتے کیونکر ایمان لاسکتے ہو،

یوحنا ۸ : ۵۶ - تمہارا باپ ابرہام میرا دن دیکھنے کی اُمید پر بہت خوش تھا۔ چنانچہ اُس نے دیکھا اور خوش ہوا۔

پروفیسر برنی کہتے ہیں کہ ان دونوں فقروں میں لفظ "خوش" نہایت بے محل ہے اور غیر موزوں بھی ہے۔ پہلے فقرے میں لفظ "خوش" کی بجائے کوئی اور لفظ اصل ارامی زبان میں تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ ابرہام میرا دن دیکھنے کی بہت تمنا رکھتا تھا یا وُہ میرا دن دیکھنے کا نہایت مشتاق تھا۔ تب دُوسرا فقرہ ایک نہایت زوردار اور پُر معنی فقرہ ہوسکتا ہے۔ موجودہ ترجمہ میں لفظ "خوش" کا اعادہ کیا گیا ہے جس سے نہ صرف زور کم ہو جاتا ہے بلکہ فقرے کے دونوں حصّوں میں کچھ فرق نہیں رہتا۔

ڈاکٹر موصوف کہتے ہیں کہ اصل ارامی کے کاتب نے یا یونانی مترجم نے دونوں فعلوں کو جن کا ترجمہ یہاں پر دونو جگہ "خوش" کیا گیا ہے گڈ مڈ کردیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہُوا ہے کہ دونو فعلوں کا غلط ترجمہ ایک ہی لفظ یعنی خوش کیا گیا ہے۔ اس گڈ مڈ کی وجہ یہ ہے کہ یا ارامی کاتب نے اور یا یونانی مترجم نے ایک الف کو نظر انداز کردیا ہے۔ پس اس فاضل مصنف کے مطابق پہلے فقرہ کے فعل میں حرف الف کو ایزاد کردینا چاہیئے۔

پس ڈاکٹر موصوف کے مطابق اس آیہ شریفہ کا اصل ترجمہ یہ ہے :-

"تمہارے باپ ابرہام نے میرا دن دیکھنے کی اُمید کے لئے دُعا کی۔ چنانچہ اس نے دیکھا اور خوش ہُوا"۔

پروفیسر برنی کہتے ہیں کہ یہاں ارامی میں جو لفظ استعمال کیا گیا تھا

1. C. F. Burney The Aramaic origin of the Fourth Gospel. Ch. 7

اس کے معنی "خواہشمند" ہیں جس کا یونانی کے مترجم نے غلط ترجمہ کرکے اس آیت کے دونوں حصّوں کو ایک سا بنا دیا ہے۔ پس پروفیسر موصوف کے مطابق اس آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے :-

"تمہارا باپ ابرہام میرا دن دیکھنے کا خواہشمند تھا۔ چنانچہ اس نے دیکھا اور خوش ہُوا"۔

مرقس ۱۰ : ۳۲ :- اور وہ یروشلیم کو جاتے ہوئے راستہ میں تھے اور یسوع ان کے آگے آگے جارہا تھا۔ اور وہ حیران ہونے لگے اور جو پیچھے پیچھے چلتے تھے ڈرنے لگے"

اس آیہ شریفہ میں یہ دقت پیش آتی ہے کہ اصل یونانی میں لفظ "وُہ" جو تیسرے فقرے کا فاعل ہے۔ موجود نہیں ہے۔ پس یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کون "حیران ہونے لگے"؟ اگر یہ شاگرد تھے تو ان کے حیران ہونے کی معقول وجہ کیا تھی؟ علاوہ ازیں وُہ کون لوگ تھے "جو پیچھے پیچھے چلتے تھے"؟ اور یہ لوگ کیوں "ڈرنے لگے"؟ عموماً مفسّرین کہتے ہیں کہ یہ وُہ لوگ تھے جو کارواں میں عید فسح کے لئے یروشلیم کو جاتے ہوئے آنخداوند کے پیچھے پیچھے چلتے تھے۔ لیکن آیت ۳۲ کے دُوسرے حصّے اور آیت ۳۳ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ "جو پیچھے پیچھے چلتے تھے" کوئی غیر نہیں تھے بلکہ وُہ بارہ شاگرد ہی تھے۔ پس یہ تفسیر درست نہیں ہوسکتی۔ اور اگر ہم ایک لحہ کے لئے اس کو درست مان بھی لیں تو پھر اس سوال کا کیا جواب ہے کہ کارواں کے لوگوں کے لئے "ڈرنے" کا کیا موقعہ تھا؟ پس بعض مفسر مثلاً ڈاکٹر ٹرنر (C.H. TURNER) اور ڈاکٹر

سامنڈ (SALMOND) وغیرہ کہتے ہیں کہ اس مقام میں یونانی متن میں کچھ فتور واقع ہوگیا ہے اور اصل قرأت یہ ہوگی کہ "وہ حیران ہونے لگا"۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ ارامی زبان کے ہر لفظ کا ایک ایک حرف انگریزی۔ ہندی اور پنجابی زبانوں کے الفاظ کی طرح الگ الگ لکھا جاتا تھا۔ اور ارامی عبارت کے فقروں کے درمیان یا عبارت کے لفظوں کے درمیان لکھتے وقت کوئی فاصلہ یا وقفہ نہیں چھوڑا جاتا تھا۔ اور نہ ایک فقرہ کے ختم ہونے کے بعد اور دوسرے فقرے کے شروع کرنے سے پہلے کاتب کوئی فاصلہ چھوڑتا تھا۔ پس کاتب اور مترجم دونوں سے اس غلطی کے ہونے کا امکان تھا کہ وہ کسی ایک لفظ کے آخری حرف کو اس کے بعد کے دوسرے لفظ کے شروع کا حرف سمجھ لیں یا دوسرے لفظ کے شروع کے حرف کو پہلے لفظ کا آخری حصہ سمجھ لیں۔

آیۂ زیرِ بحث میں اسی قسم کی غلطی واقع ہوگئی ہے جس سے مطلب خبط ہوگیا ہے۔ اس مقام کی ارامی عبارت میں حرفِ عطف واوٗ (یعنی اور) جو درحقیقت آیت کے چوتھے فقرے کا پہلا حرف ہے۔ "(اور جو پیچھے پیچھے وغیرہ)" اس کو ارامی کاتب نے یا یونانی مترجم نے تیسرے فقرے "(وہ حیران ہونے لگے)" کے آخری لفظ "ہونے" کا آخری حرف سمجھ لیا جس سے یہ فعل صیغہ واحد کی بجائے صیغہ جمع ہوگیا یعنی "ہونے لگا" کی بجائے "ہونے لگے" ہوگیا۔ کیونکہ ارامی اور عبرانی زبانوں میں حرف واوٗ حرفِ عطف بھی ہے اور جمع کی نشانی بھی ہے۔ پس اصل ارامی متن میں اس فقرے کا فعل واحد تھا۔ (حیران ہونے لگا) اور چونکہ اس سے اگلا فقرہ حرف واوٗ (جو درحقیقت حرف

1. St Mark (Cent. Bible) P. 201.

عطف تھا) سے شروع ہوتا ہے۔ لیکن یونانی مترجم نے اس کو اس فعل کے جمع کی نشانی خیال کر کے فعل کو جمع بنا دیا۔ جس سے آیۂ زیرِ بحث بے معنی ہوگئی۔

یہاں لفظ "حیران" سے مراد حیرت نہیں ہے۔ بلکہ بے قراری اور بے چینی مراد ہے۔ دیکھو مرقس ۱۴/۳۳۔

پس اس آیۂ شریفہ کا اصل ترجمہ یہ ہے :-

اور وہ (یعنی خداوند اور شاگرد) یروشلیم کو جاتے ہوئے راستہ میں تھے اور یسوع ان کے آگے آگے جا رہا تھا اور وہ بے چین ہونے لگا اور (شاگرد) جو پیچھے پیچھے چلتے تھے (اس کی بے قراری کو دیکھ کر) ڈرنے لگے۔

یوحنا ۱/۱۳ - "وہ نہ خون سے نہ جسم کی خواہش سے نہ انسان کے ارادہ سے بلکہ خدا سے پیدا ہوئے"۔

اس آیت میں بھی ارامی متن کے کاتب سے یا یونانی کے مترجم سے وہی غلطی سرزد ہوئی ہے جو مرقس ۱۰/۳۲ میں ہوئی تھی۔ یعنی حرفِ عطف واوٗ جس سے اگلا فقرہ (کلام مجسم ہوا) شروع ہوتا ہے آیت زیرِ بحث کے آخری لفظ یعنی فعل "ہونا" کا حصہ سمجھ لیا گیا جس سے وہ فعلِ واحد (پیدا ہوا) کی بجائے جمع (پیدا ہوئے) ہوگیا۔ کیونکہ ارامی اور عبرانی زبان میں حرف واوٗ حرفِ عطف ہونے کے علاوہ جمع کی نشانی بھی ہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ یہاں فعل مستقبل کے زمانہ میں نہیں ہے بلکہ ماضی کے زمانہ میں ہے یعنی "پیدا ہوں گے" نہیں ہے بلکہ "پیدا ہوئے" ہے۔ پس یہاں کوئی وعدہ موجود نہیں ہے کہ مومنین از سرِ نو پیدا ہوں گے۔

(دیکھو یوحنا ۳:۳) یہاں عبارت کا مفہوم بھی اِسی بات کا مقتضی ہے کہ اس فعل کا تعلق صرف ایک واحد ذات کے ساتھ ہو۔ کیونکہ صرف ایک ہی واحد اکلوتا بیٹا تھا جو "نہ جسم کی خواہش سے اور نہ انسان کے ارادہ سے" پیدا ہُوا۔ تمام ایماندار جسم کی خواہش سے اور انسان کے ارادہ سے پیدا ہوتے آئے ہیں اور پیدا ہوتے رہیں گے۔ (دیکھو یوحنا ۱:۱۳ - ۳:۱۶ - ۳:۱۸ وغیرہ)۔

پس آیۂ زیرِ بحث کا اصل ترجمہ یہ ہے :-

"وُہ نہ خُون سے نہ جسم کی خواہش سے نہ انسان کے ارادہ سے بلکہ خُدا سے پیدا ہُوا۔"

صرف یہی ترجمہ عبارت کے سیاق و سباق کے مطابق ہوسکتا ہے۔ "وُہ (کلام) اپنوں کے پاس آیا اور اس کے اپنوں نے اسے قبول نہ کیا۔ لیکن جتنوں نے اُسے قبول کیا۔ اس نے ان کو خُدا کے فرزند بننے کا حق بخشا...... وُہ نہ خون سے نہ جسم کی خواہش سے نہ انسان کے ارادہ سے بلکہ خُدا سے پیدا ہُوا۔ اور کلام مجسّم ہوا اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا اور ہم نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال۔"

اس ترجمہ سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جہاں تک تجسّم کے مفہوم اور خداوند مسیح کی پیدائش کا تعلق ہے۔ مقدس یوحنا اور انجیلِ اوّل و سوم کے بیانات میں رتی بھر فرق نہیں ہے۔

متی ۲: ۲۳ - اور (یوسف) ناصرۃ نام ایک شہر میں جا بسا۔ تاکہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا۔ وُہ پُورا ہو کہ وُہ (یسوع) ناصری کہلائے گا۔

پہلی صدی مسیحی سے انجیلِ اوّل کے مفسرین اُن مقامات کی تلاش میں سرگرداں رہے ہیں۔ جہاں "نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا۔ کہ وُہ ناصری کہلائیگا۔" لیکن ان سے یہ معمّا تاحال حل نہیں ہو سکا۔ کیونکہ وُہ یہ بات فرض کر لیتے رہے ہیں کہ یہ انجیل ابتدا ہی سے یونانی زبان میں لکھی گئی تھی۔ لیکن ان کو عہدِ عتیق کے صحفِ انبیا میں کوئی ایسے مقامات نہیں ملے جن کی بنا پر یہ کہا جا سکے کہ آنخداوند کا "ناصری" کہلانا پُورا ہُوا۔

چوتھی صدی میں مقدس جیروم نے اور اس کے بعد دیگر مفسرین نے یہ بے سُود کوشش کی کہ اس آیہ شریفہ کو یسعیاہ نبی کے صحیفہ (۱۱: ۱) سے متعلق کیا جائے جہاں لکھا ہے کہ "یسّی کے تنے سے ایک کونپل نکلے گی۔ اور اس کی جڑوں سے ایک بارآور شاخ پیدا ہوگی" یہ کوشش ناکام رہی ہے۔ کیونکہ یہاں لفظ "ناصری" نہیں ہے۔

لیکن اصل حقیقت یہی ہے کہ انجیل نویس کی مُراد اِسی آیت یعنی (یسعیاہ ۱۱: ۱) سے ہے۔ اور چونکہ حضرت یرمیاہ نبی مسیح موعود کے لئے لفظ "شاخ" استعمال کرتا ہے (۲۳: ۵ ، ۳۳: ۱۵) لہٰذا انجیل نویس صیغہ جمع کا استعمال کر کے کہتا ہے کہ "جو (یسعیاہ اور یرمیاہ) نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا وُہ پُورا ہُوا۔"

ڈاکٹر ٹوری جو ارامی زبان کے ماہر ہیں لفظ "ناصری" کے معمّا کو یُوں حل کرتے ہیں۔ وُہ فرماتے ہیں۔ کہ یہ انجیل پہلے پہل ارامی زبان میں لکھی گئی تھی۔ اور اس آیت کے ارامی متن میں جو الفاظ تھے وُہ یہ تھے۔ "نصریتقرا"، جن کے معنی ہیں "وُہ شاخ کہلائے گا"۔ لیکن ارامی

کاتب نے یا یونانی مترجم نے دُوسرے لفظ "یتقرا" کے پہلے حرف ی کو اس سے پہلے لفظ "نصر" کا آخری حرف سمجھ لیا۔ اور یوں لفظ "نصر" حرف ی کے ساتھ "نصری" ہوگیا اور اس کا یونانی زبان میں "شاخ" کی بجائے "ناصری" ترجمہ ہوگیا۔

اس غلطی کی اصل وجہ یہ ہے کہ ارامی عبارت کے فقروں کے درمیان اور فقروں کے مختلف الفاظ کے درمیان اور الفاظ کے حروف کے درمیان (جو الگ الگ لکھے جاتے تھے) کوئی وقفہ یا فاصلہ چھوڑا نہیں جاتا تھا۔ پس کاتب کے سامنے ارامی عبارت یوں تھی :-

"ن ص ر ی ت ق ر ا"۔ پس کاتب یا مترجم نے "یتقرا" کی ی کو اس سے پہلے لفظ "نصر" کا آخری حرف سمجھ کر "نصری" لکھ دیا — اور "یتقرا" کی ی کو بھی بحال رکھا — اور اس کو یوں پڑھا :-

"ن ص ر ی ی ت ق ر ا"۔ یوں لفظ "نصر" بمعنی شاخ (جس کا ذکر یسعیاہ اور یرمیاہ نبیوں کے صحیفوں میں موجود ہے) "نصری" یعنی ناصری ہوگیا۔ چونکہ اس زمانہ میں کتابیں طوماروں میں لکھی جاتی تھیں اور ابواب اور آیات میں منقسم نہ تھیں لہذا ارامی کاتب یا یونانی مترجم نے طوماروں کو کھول کر حوالہ دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ بالخصوص جب کہ آیۂ زیر بحث میں کسی خاص نبی کا نام بھی نہیں لکھا تھا۔

چونکہ ارامی زبان میں الفاظ "ناصرۃ" اور "نصر" ایک ہی اصل سے ہیں لہذا انجیل نویس یہاں صنعت ایہام اور تجنیس استعمال کر کے لکھتا ہے کہ حضرت یوسف ناصرۃ میں جا بسا تا کہ جو یسعیاہ اور یرمیاہ نبی کے صحیفوں میں لکھا تھا وہ پُورا ہو کہ یسوع نصر یعنی شاخ کہلائے گا۔

پس اس آیہ شریفہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے :-

اور وُہ (یوسف) ناصرۃ نام ایک شہر میں جا بسا تا کہ جو (یسعیاہ اور یرمیاہ) نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا پُورا ہو کہ وُہ (یسوع) نصر (شاخ) کہلائے گا۔

یُوحنا ۷ :- "یہودیوں کی عیدِ خیام نزدیک تھی۔ پس اُس (یسوع) کے بھائیوں نے اس سے کہا۔ یہاں (یعنی گلیل) سے روانہ ہو کر یہودیہ کو چلا جا تا کہ جو کام تُو کرتا ہے اُنہیں تیرے شاگرد بھی دیکھیں"

موجودہ یونانی ترجمہ حیران کُن ترجمہ ہے۔ کیونکہ آنخداوند کے گلیلی شاگرد تو آپ کے معجزاتِ بیّنات کو ہمیشہ دیکھتے رہتے تھے۔ پس بعض مفسر یہاں لفظ "شاگرد" سے مُراد اُن شاگردوں سے لیتے ہیں جو اُن کے خیال میں یہودیہ میں رہتے تھے۔ لیکن آیہ شریفہ کے سیاق و سباق سے اس تاویل کی حمایت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس سے اگلی آیت میں ہی آپ کے بھائی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ تو گزشتہ سال بھی عیدِ خیام کے موقعہ پر یروشلیم نہیں گیا تھا لیکن "ایسا کوئی نہیں جو مشہور ہونا چاہے اور چھپ کر کام کرے۔ اگر تُو یہ کام کرتا ہے تو اپنے آپ کو دُنیا پر ظاہر کر"۔ ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ آں خداوند کے بھائیوں کا مطلب یہ تھا کہ اگر آپ فی الحقیقت مسیح موعود ہیں تو آپ کو یروشلیم میں جا کر عیدِ خیام کے موقعہ پر بیّن نشانوں کے ذریعہ دُنیا پر یہ بات ظاہر کر دینی چاہئے اور اپنی

کوششوں کو دُور اُفتادہ گلیل کے صوبہ کے جاہل اور گنوار عوام تک ہی محدُود نہیں رکھنا چاہیئے۔

ڈاکٹر ٹوری کہتے ہیں کہ ارامی زبان میں اس فقرہ کا فعل (دیکھیں) جمع غائب ہے۔ جس کا فاعل "لوگ" فعل میں ہی مُضمر ہے۔ ارامی کاتب نے یا یونانی مترجم نے حرفِ عطف "واؤ" کو جو الفاظ "تیرے شاگردوں" سے پہلے ارامی عبارت میں تھا نظرانداز کر دیا اور یُوں اس آیہ شریفہ کا اصل مطلب خبط ہو گیا۔ آنخداوند کے بھائیوں کے مشورہ کا اصل مقصد یہ تھا کہ تُو عید خیام کے موقعہ پر گلیل سے یروشلیم جا۔ وہاں تمام ارض مقدس (دُنیا) جمع ہوگی اور قوم کے اُمرا اور رؤسا۔ علما اور فضلا۔ سب لوگ اُن کاموں کو دیکھ سکیں گے جو تُو کرتا ہے اور وہ تیرے شاگردوں کو بھی دیکھ سکیں گے جو یہاں گلیل سے اور دُوسری جگہوں سے یروشلیم میں جمع ہوں گے۔ کیونکہ ایسا کوئی نہیں جو مشہور ہونا چاہے اور گمنام مقاموں اور عام لوگوں میں ہی کام کرے۔ اگر تیرے کام فی الواقع مسیحائی کام ہیں تو اپنے آپ کو یروشلیم میں عید کے موقعہ پر ظاہر کر جہاں تمام دُنیا جمع ہوگی۔ ظاہر ہے کہ اس ترجمہ میں نہ کسی تاویل کی ضرورت ہے اور نہ کوئی مشکل باقی رہتی ہے۔ پس ڈاکٹر ٹوری کے مطابق اس آیہ شریفہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے:-

اس کے بھائیوں نے اس سے کہا۔ یہاں سے روانہ ہو کر یہودیہ کو چلا جا تاکہ (لوگ) تیرے شاگردوں کو اور تیرے کاموں کو دیکھیں۔

یوحنا ۷باب ۳۷-۳۸۔ پھر عید کے اخیر دن یسُوع کھڑا ہوا اور اس نے پکار کر کہا۔ اگر کوئی پیاسا ہو تو میرے پاس آ کر پیئے۔ جو مجھ پر ایمان لاتا ہے اُس کے پیٹ سے جیسا کتاب مقدس نے کہا ہے زندگی کے پانی کے دریا جاری ہوں گے۔

موجودہ ترجمہ کے مطابق یہ پتہ نہیں چلتا کہ خداوند مسیح نے اس مقام میں کس "کتاب مقدس" کا حوالہ دیا ہے اور عبرانی کتب مقدسہ میں کس جگہ آیا ہے کہ ایماندار کے پیٹ سے زندگی کے پانی کے دریا جاری ہوں گے۔ مفسرین کہتے ہیں کہ یہاں آنخداوند نے یسعیاہ ۴۴: ۳۔ ۵۵: ۱۔ ۵۸: ۱۱ زکریاہ ۱۴: ۸۔ ۱۳: ۱۔ حزقی ایل ۴۷: ۱-۱۲۔ یوایل ۳: ۱۸۔ یرمیاہ ۲: ۱۳ وغیرہ کی جانب اشارہ کیا ہے لیکن ان تمام حوالہ جات میں الفاظ "اس کے پیٹ سے" کہیں نہیں ملتے۔ ان حوالجات کا مطلب ہے کہ چونکہ اہل یہود کے خیال کے مطابق یروشلیم دُنیا کی ناف یعنی مرکز ہے لہٰذا مسیح موعود کے زمانہ میں زندگی کے پانی کے دریا یروشلیم کی ہیکل کی پہاڑی میں سے پھوٹ کر بہہ نکلیں گے اور دُور و نزدیک کے انسانوں کی زندگیوں کو سیراب کر دیں گے۔ خداوند مسیح نے اپنے سامعین کو مطلع فرمایا کہ اب مسیح موعود کا دور شروع ہو گیا ہے لیکن اُن میں سے کسی نے بھی الفاظ "اسکے پیٹ سے" کو نہ سمجھا ہوگا کیونکہ جیسا مقدس کرسسٹم نے کہا ہے یہ الفاظ کتاب مقدس کے کسی حصہ میں نہیں ملتے۔[1] ارامی زبان کے ماہرین کہتے ہیں کہ یہ الفاظ نہ عبرانی محاورہ کے مطابق ہیں اور نہ ارامی محاورہ کے مطابق ہیں۔

آیت ۳۸ کے پہلے حصہ کے الفاظ میں کوڈکس بیزی میں اختلاف قرأت موجود ہے اور اس قرأت کو قبول کر کے مغربی کلیسیا کے قدیم مفسرین (اور بعض جدید مفسرین بھی) کہتے ہیں کہ الفاظ "جو مجھ پر ایمان لاتا ہے" درحقیقت آیت ۳۷ سے متعلق ہیں اور خداوند مسیح کا یہ قول دو متوازی حصوں پر مشتمل ہے:- جو کوئی پیاسا ہے وہ میرے پاس آئے۔ جو مجھ پر ایمان لاتا ہے وہ پیئے۔

آیت ۳۸ کے باقیماندہ حصہ کی نسبت مختلف علماء کے مختلف خیال ہیں۔ ڈاکٹر برنی[2] کہتا ہے کہ مذکورہ بالا کتب مقدسہ کے حوالہ جات ظاہر کرتے ہیں کہ اس مقام میں کوئی لفظ تھا جس کا

---

1. Strchan the Fourth Gospel P 202
2. Burney Aramaic origin of the Fourth Gospel P 110

مطلب "چشمہ یا ندی" تھا جس کو یونانی متن کے مترجم نے غلط پڑھ کر وُہ یونانی لفظ لکھ دیا جس کے معنی "پیٹ" ہیں۔ چنانچہ اس عالم کے خیال میں یہاں اصل ارامی لفظ "مین" (بمعنی چشمہ) تھا۔ جس کو یونانی کے مترجم نے "بین" (بمعنی پیٹ) پڑھکر غلط ترجمہ کر دیا۔ پس اس عالم کے خیال میں آیت ۳۸ کے باقیماندہ حصّہ کا ترجمہ یہ ہے "جیسا کتاب مقدّس نے کہا ہے۔ زندگی کے پانی کے چشمہ سے دریا جاری ہوں گے" اور ان آیات کا ترجمہ یہ ہے "یسُوع نے پُکار کر کہا۔ جو کوئی پیاسا ہے وُہ میرے پاس آئے۔ جو مجھ پر ایمان لاتا ہے وُہ پیئے۔ جیسا کتاب مقدّس نے کہا ہے زندگی کے پانی کے چشمہ سے دریا جاری ہوں گے۔"

ڈاکٹر ٹوری کے خیال میں ڈاکٹر برنی کا یہ حل درست نہیں۔ وُہ کہتا ہے کہ خداوند مسیح نے اس آیت میں صاف اور واضح طور پر زکریاہ ۱۴: ۸ کی جانب اشارہ کیا ہے کیونکہ اُس آیت میں نہ صرف لفظ "دریا" موجود ہے بلکہ اگلی آیت میں الفاظ "اس (یروشلیم) کے بیچ میں" موجود ہیں اور خُداوند کے سامعین جو یروشلیم میں کھڑے تھے اُسکے اصلی مفہوم کو پا گئے کہ آپ یہاں نوشتہ شریف کی ۴۷: ۱ کا اقتباس فرما رہے ہیں۔ ڈاکٹر موصوف کہتا ہے کہ یہاں ارامی لفظ "گو" تھا جو اسم ضمیر مونث کے صیغہ میں لفظ "گوہ" ہو گیا" جو شہر کے بیچ" کے لئے ہمیشہ استعمال ہوتا ہے (عزرا ۴: ۱۵) لیکن جب لفظ "گو" کے ساتھ اسم ضمیر مذکر ہو تب یہ لفظ "گوہ" پڑھا جاتا ہے جو ارامی کتب "مترجم" میں انسانوں اور حیوانوں کے پیٹ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ پس یونانی مترجم نے اس مقام میں ارامی لفظ "گوہ" (بمعنی شہر یروشلیم کے بیچ میں) کو غلطی سے "گوہ" پڑھکر غلط ترجمہ کر کے "اسکے پیٹ سے" لکھ دیا۔ ڈاکٹر ٹوری کے ترجمہ کے مطابق خداوند مسیح کا مفہوم نہایت واضح ہو جاتا ہے کہ آپکی آمد سے مسیحائی دَور شروع ہو گیا ہے اور اب شہر یروشلیم کی ہیکل کی پہاڑی میں سے زندگی کے پانی کے دریا بہہ نکلیں گے۔ پس ڈاکٹر موصوف کے مطابق ان آیات کا صحیح ترجمہ یہ ہے:۔

پھر عید کے اخیر دن یسُوع کھڑا ہُوا اور اُس نے پُکار کر کہا۔

"جو کوئی پیاسا ہے وُہ میرے پاس آئے۔ جو مجھ پر ایمان لاتا ہے وُہ پیئے"۔

(اب وقت آ گیا ہے) جیسا کتاب مقدس نے کہا ہے اس شہر (یروشلیم) کے بیچ سے زندگی کے پانی کے دریا جاری ہوں گے۔"

صلیب کے علمبردار میں پنجاب کی ممتاز کلیساؤں کے اوّلین مشنریوں کا ذکر ہے۔ قیمت ۸؍

دشتِ کربلا یا کوہ کلوری؟ میں خداوند مسیح کے مصلوب ہونے اور امام حسین کی موت کے اسباب و نتائج پر بحث کی گئی ہے قیمت ار

محمد عربی میں بانیٔ اسلام کی زندگی کے صحیح واقعات کو قرآن و حدیث سے جمع کیا گیا ہے۔ مسلم علماء تک نے اس کتاب کی تعریف کی ہے۔

توضیح البیان فی اصول القرآن میں ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام صرف محمد صاحب کے زمانہ کے عرب کے لیئے ہی موزوں تھا۔ قیمت: ۵؍

اسرائیل کا نبی یا جہان کا منجی؟ اس کتاب میں ثابت کیا گیا ہے کہ خداوند مسیح کا پیغام صرف قوم یہود تک ہی محدود نہ تھا بلکہ اقوامِ عالم کے لیئے تھا۔ قیمت ۵؍

مسیحیت اور سائنس میں ثابت کیا گیا ہے کہ ان دونوں میں کسی قسم کا تضاد نہیں۔ قیمت ایک آنہ (ار)

مسیحیت یا اشتراکیت میں اشتراکی اصول کو مسیحی تعلیم کی کسوٹی پر پرکھا گیا ہے۔ قیمت ار

تاریخ کلیسائے ہند دو حصے تاریخ کلیسائے ہندوستان کا پہلا حصہ دوسری ایڈیشن قیمت فی حصہ۔ دو روپیہ

ابوتِ الٰہی کا مفہوم اس کتاب میں پادری صاحب نے اس حقیقت کی تشریح کی ہے کہ خدا کن معنوں میں ہمارا باپ ہے؟